جماعت اسلامی

عقل واستدلال کی روشنی میں ایک تنقیدی جائزہ

مؤلف

رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی، فون:32439799

نام کتاب : جماعت اسلامی

مؤلف : رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

سن اشاعت : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ/اپریل ۲۰۱۱ء

تعدادِ اشاعت : ۳۳۰۰

ناشر : جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر، کراچی، فون:32439799

خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
☆	پیش لفظ	5
۱۔	ایک استفتاء	11
۲۔	جماعتِ اسلامی علمائے دیوبند کی نظر میں	11
۳۔	جماعتِ اسلامی کا نیا مرکز	16
۴۔	اُمّت سے لے کر پیغمبر تک سبھی قلم کے نشانے پر	20
۵۔	امامِ ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب پر نکتہ چینی	20
۶۔	حجۃ الاسلام سیّدنا امام غزالی رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی	21
۷۔	محققین اسلام پر نکتہ چینی	21
۸۔	قدیم مصنفین اسلام پر نکتہ چینی	22
۹۔	جماعت محدثین پر نکتہ چینی	22
۱۰۔	ائمۂ مجتہدین وفقہائے اسلام پر نکتہ چینی	24
۱۱۔	مجددین اُمّت پر نکتہ چینی	25
۱۲۔	امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی	26
۱۳۔	سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی	26
۱۴۔	عام صحابۂ رسول پر نکتہ چینی	27
۱۵۔	امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی	28
۱۶۔	امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی	28
۱۷۔	امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی	29
۱۸۔	امیر المومنین حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی	29

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، عقل دی اور ہدایت وگمراہی کے رستے بتادیے تاکہ وہ راہِ ہدایت پر چل کر اور گمراہی سے بچ کر دونوں جہان میں کامیاب وکامران ہوجائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ گذشتہ اُمتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُشد وہدایت آنے کے بعد لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا اور متفرق ہوگئے، پس انکار کرنے والے ہلاک کر دیے گئے جبکہ اقرار کرنے والے فلاح پاگئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو بھی جگہ بہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور دینِ اسلام آجانے کے بعد دین کے معاملہ میں آپس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اختلاف نہ کرنا ورنہ تمہیں دردناک عذاب دیا جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ O (عمران:۳/۱۹)

ترجمہ: ’’بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے اور پھوٹ میں نہ پڑے کتابی مگر بعد اس کے کہ انہیں علم آچکا اپنے دلوں کی جلن سے اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہو تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے‘‘۔

اور فرماتا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ O (آلِ عمران: ۳/۱۰۵)

ترجمہ: ’’اور اُن جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ (متفرق) گئے اور اُن میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انہیں آچکی تھیں اور اُنکے لئے بڑا عذاب ہے‘‘۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ اُمت ہر دَور میں مختلف فرقوں میں بٹی، ہر فرقے میں ایک سے بڑھ کر ایک نئی گمراہ کُن چیز ہوتی اور ان میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے راستہ سے دُور ہوکر خسارے والے میں ہوتا گیا مگر پھر بھی اپنے آپ کو ہدایت یافتہ اور راہِ حق پر سمجھتا رہا اور سمجھ رہا ہے، قرآن کریم میں ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِينَ اَعْمَالًا O الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا O أُولٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا O ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِي هُزُوًا O (کھف:۱۰۳-۱۰۶/۱۸)

ترجمہ: ’’تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں، اُن کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں، یہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں اور اس کا ملنا نہ مانا تو ان کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول نہ قائم کریں گے، یہ ان کا بدلہ ہے جہنّم اس پر کہ اُنہوں نے کُفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی۔‘‘

انہی گمراہ فرقوں میں بیسویں صدی میں جنم لینے والا فرقہ جماعتِ اسلامی کی صورت میں ظاہر ہوا، یہ اپنی نوعیت کا بالکل منفرد فرقہ ہے جس نے خرد پسندی کی آڑ میں دینِ اسلام کو جو نقصان پہنچایا اور آج تک پہنچا رہا ہے وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ اس کی بنیاد رکھنے والے مولانا مودودی صاحب ہیں، جن کے بارے میں اپنے ہوں یا پرائے سب یہ رائے دیتے ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اپنی ذات کے علاوہ ہر شخص کو موردِ الزام اور خطاوار ٹھہرایا، گویا بڑی عیاری وخاموشی سے اُلوہیت کا دعویٰ کر دیا، حضراتِ انبیائے کرام ہوں یا صحابہ، تابعین ہوں یا صالحین کوئی بھی اُن کے قلم کی نوک سے محفوظ نہ رہ سکا۔ مختصر یہ کہ یہ خود کیا تھے ایک منبعِ فتن تھے

اُن کے دنیا سے جانے کے بعد جو فتنے اور فرقے وجود میں آئے، خُدا کی پناہ وہ سب ملّتِ اسلامیہ کے لیے ناسور بنے ہوئے ہیں۔

ہر دَور میں علمائے حقّہ نے ایسے فتنوں کے خلاف آوازِ حق بلند کی اور ان شاء اللہ تعالیٰ کرتے رہے ہیں گے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہوں رئیس التحریر حضرت علامہ مولانا ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی تُربت پر کہ جیتے جی مسلمانوں کے لیے جو علمی و تحقیق ذخیرۂ کُتُب چھوڑ گئے ہیں وہ نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ آپ نے جہاں دیگر فتنوں کے بارے میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی وہیں جماعتِ اسلامی جیسے عظیم فتنے کے بارے میں بھی اپنے رشحاتِ قلم کے ذریعے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کا سامان کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اگر کوئی شخص ٹھنڈے دماغ کے ساتھ اِس کتاب میں موجود حقائق کو پڑھے اور انہیں سمجھ جائے تو دونوں جہان میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ اِس لیے کہ کتاب میں موجود حقائق مستند حوالہ جات کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کانا دجال ہے جو قُربِ قیامت ظاہر ہوگا، مگر مودودی صاحب اُس کے متعلق عجیب منطق لڑا کر لکھتے ہیں:

''یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے''۔(ترجمان القرآن، رمضان وشوال ۱۳۶۴ھ، ص ۱۸۶)

ایک دوسرے مقام پر اُس کی مزید وضاحت اِس طرح کرتے ہیں:

''حضور ﷺ کو اپنے زمانے میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوجائے یا کسی قریب زمانہ میں ظاہر ہوجائے، لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس نے یہ ثابت نہیں کردیا کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا''۔(ترجمان القرآن، رمضان وشوال ۱۳۶۵ھ، ص ۳۱)

اِس میں صراحۃً نبی کریم ﷺ کے علمِ پاک کی نہ صرف توہین ہے بلکہ قرآن وسنّت میں وادر دیگر علاماتِ قیامت اور پیش گوئیوں کا انکار کرنے کی جُرأت پیدا کرنا بھی

ہے۔قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں کئی آیات ہیں کہ جن میں آپ ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے یہ فرمایا کہ ''قیامت کا دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''۔کل کوئی بدزبان اُٹھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی قیامت کے بارے میں پیش گوئیاں درست نہیں ہیں کیونکہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا لیکن اب تک قیامت نہیں آئی۔۔۔!تو کیا یہ قرآنی نُصوص کی توہین نہ ہوگی بلکہ اِس سے اللہ تعالیٰ کی پاک ومُنزّہ ذات پر بھی حرف آئے گا کہ اُس نے اپنے رسول ﷺ کو صحیح خبر نہ دی۔

نبی کریم ﷺ کی طرح ہر نبی ورسول نے اپنے اپنے منصبِ رسالت کی تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے مگر مولانا مودودی تو دیگر انبیاء ورُسل علیہم السلام پر نکتہ چینی کے ساتھ ساتھ شانِ رسالت مآب ﷺ میں کیا الزام لگا رہے ہیں جو غیر بھی نہیں لگاتا اور وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ جب وعظ ونصیحت کر کر کے معاذ اللہ ناکام ہوگئے تو پھر تلوار اُٹھا لی، چنانچہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''لیکن وعظ وتلقین میں ناکامی کے بعد داعیِ اسلام نے ہاتھ میں تلوار اُٹھالی''۔(الجہاد فی الاسلام، ص ۱۷۴)

حضرات انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور ملائکہ مطلقاً گُناہوں سے معصوم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا وعدہ اُن کے لیے ہولیا ہے، یہ خاصہ انبیاء وملائکہ کی ذات کا ہی ہے اِس میں کوئی غیر شریک نہیں ہے۔امام اہلسنت امام شاہ احمد رضا خان حنفی علیہ الرحمۃ کے مطابق انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کبیرہ گُناہوں سے مطلقاً جبکہ عند التحقیق صغیرہ سے بھی عمداً پاک ومنزہ ہوتے ہیں۔مگر یہ عقیدہ تو ایمان والوں کا حصہ ہے کوئی بے ایمان اِس میں کیسے داخل ہوسکتا ہے چنانچہ مولانا مودودی عصمتِ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے بارے میں کس طرح اپنی باطنی غلاظت کا اظہار کرتے ہیں وہ دیکھئے، لکھتے ہیں:

''عصمتِ، انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے لوازم ذات سے نہیں۔۔۔۔اور ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالا رادہ ہر نبی سے کسی

نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں ہوجانے دیں ہیں''۔(تفہیمات،حصہ دوم،ص۵۰،طبع۶)

ایک اور جگہ اس طرح لکھتے ہیں:

''انبیاء کرام سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور اُن کو سزا بھی دی جاتی ہے''۔

(ترجمان القرآن،ص۱۵۸،مئی۱۹۵۵ء)

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ کس قسم کی اُلٹی منطق یہاں پر مولانا مودودی پیش کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے مقرب بندوں کی عظمتوں کو بلند فرما رہا ہے اور مولانا صاحب بالکل اُس کے برعکس جا رہے ہیں، گویا خُدا تعالیٰ سے مقابلہ کررہے ہیں، اِس روش کو اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان حنفی علیہ الرحمۃ کے اشعار کی روشنی میں ملاحظہ کریں:

عقل ہوتی تو خُدا سے نہ لڑائی لیتے — یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا
تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے — جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اگر کوئی شخص کسی کے احترام و تعظیم کے لیے اُس پر کسی قسم کی تنقید نہ کرے تو کیا یہ شرک وبُت پرستی ہے؟ مثلاً اگر ہم رسول اللہ ﷺ یا حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا دیگر معظمانِ دین کے ادب واحترام کی وجہ سے اُن پر تنقید نہ کریں تو مولانا مودودی کے مطابق یہ بُت پرستی ہے اور بُت پرستی کو مٹانا مقصدِ دین میں سے ہے چنانچہ تحریر کرتے ہیں:

''اگر کسی شخص کے احترام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے تو ہم اِس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بُت پرستی سمجھتے ہیں اور اِس بت پرستی کو مٹانا منجملہ اُن مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جس کو جماعتِ اسلامی پیشِ نظر رکھتی ہے''۔(ترجمان القرآن،بحوالہ مکتوباتِ شیخ الاسلام،ج۲،ص۳۹۴)

لطیفہ: لہٰذا جس کسی نے بھی مولانا مودودی پر تنقید کی ہے اُس بچارے نے شاید

مودودی صاحب کے فتویٰ شرک وبُت پرستی سے بچنے کے لیے کی ہوگی کیونکہ اگر حضرت کی ذات کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُن پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے تو یہ شرک وبُت پرستی ہوگی۔ لہٰذا قارئین بھی ضرور مودودی صاحب پر ایک پہلو سے نہیں بلکہ اِس کتاب میں مذکور جتنے پہلوں ہیں اُن سب کی وجہ سے تنقید کریں اور اپنے بچوں کو بھی اِس کا حکم دیں تا کہ آپ وہم اِس فتویٰ کی زد میں نہ آجائیں۔ الامان الامان۔۔۔!

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنی دام میں صیاد آ گیا

حامد علی علیمی

ریسرچ اسکالر جامعہ کراچی

ایک استفتاء

بخدمت گرامی حضرت مولانا الحاج ارشد القادری صاحب مفتی جمشید پور (بہار)
استفتاء ہٰذا کے ذریعہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کے سلسلہ میں علمائے اہلسنّت کا مؤقّف کیا ہے؟ اور وہ کس رُخ پر مسلمانوں کو لے جانا چاہتی ہے؟ دلائل کی روشنی میں واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔

آپ کا مخلص۔ محبوب اصدق
جیل گوڑہ۔ ضلع دھنباد (بہار)

الجواب

اللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب

جماعتِ اسلامی علمائے دیوبند کی نظر میں

جماعتِ اسلامی کے متعلق علمائے اہلسنّت کا مؤقّف واضح کرنے سے پہلے مفید سمجھتا ہوں کہ اِس سلسلہ میں علمائے دیوبند کا کیا مسلک ہے واضح کر دیا جائے۔ اِس لحاظ سے بہت زیادہ اس کی اہمیت محسوس کی جائیگی کہ اہلسنّت کے مقابلہ میں جماعتِ اسلامی اور علمائے دیوبند دونوں اپنے بنیادی مذہب فکر کے اعتبار سے قطعاً ایک اور آپس میں ایک دوسرے کے حلیف ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود علمائے دیوبند، جماعتِ اسلامی کے نظامِ فکر و عمل کو باطل اور دین و ملّت کے لئے مہلک سمجھتے ہیں۔

ذیل میں اس کی تفصیلات پڑھئے اور ''دوست'' کے حق میں ''دوست'' کی رائے کا وزن محسوس کیجئے۔

۱۔ چند سال ہوئے جماعت اسلامی (مودودی جماعت) کے خلاف دارالعلوم دیوبند سے ایک فتویٰ شائع ہوا تھا جس کی سرخیاں یہ تھیں۔

الف) سہارنپور سے مودودی فتنہ کو مٹادو۔
ب) مودودی تحریک مُہلک اور زہرِ قاتل ہے۔
ج) مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں۔
د) مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

اِس فتوے کی اشاعت کے بعد جماعتِ اسلامی ہند کے امیر مولانا ابواللیث ندوی نے دیوبندی جماعت کے صدر مولانا حسین احمد صاحب کے نام ایک طویل مراسلہ بھیجا۔ مراسلے کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے:۔

> ''اِس وقت فوری مسئلہ جس پر میں گفتگو کی سخت ضرورت محسوس کر رہا ہوں وہ دارالافتاء دیوبند کا وہ فتویٰ ہے جو ''سہارنپور سے مودودی فتنہ کو مٹادو''، ''مودودی تحریک مُہلک اور زہرِ قاتل ہے''، مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں''، ''مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو'' کی موٹی موٹی سرخیوں سے شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں یہ فتویٰ آنجناب کی نگاہ سے گزرا ہے یا نہیں؟ یہ فتویٰ قدرتی طور پر اُن تمام لوگوں کے لئے انتہائی حدتک تکلیف دہ اور دل آزار ہے جو تحریکِ اسلامی کو حق سمجھ کر اُس میں شریک ہوئے ہیں یا اُس کو حق سمجھتے ہیں۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۳۵۶)

مولانا حسین احمد صاحب نے امیر جماعت کے نام اُن کے مراسلے کا جواب جو ارسال کیا ہے اُس کے چند پیراگراف ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔ اُن کا یہ جواب جماعتِ اسلامی کے متعلق علمائے دیوبند کے مؤقّف کی واضح نشاندہی کرتا ہے:

> ''محترما! میرا پہلے یہ خیال تھا کہ آپ کی تحریکِ اسلامی' مسلمانوں کی علمی اور عملی، دنیاوی اور دینی کمزوریوں اور اُن کے انتشارات دُور کرنے اور مسلمانوں کو مُنظّم کرنے تک ہی محدود ہے''۔
> اگر چہ طریق تنظیم میں اختلاف رائے ہو۔

’’اِس لئے میں نے اس کے خلاف آواز اُٹھانا یا تحریر کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اگرچہ افرادِ جماعت اور قائدِ جماعت کی طرف سے بسا اوقات ناشائستہ کلمات تقریراً اور تحریراً میں معلوم ہوئے مگر اُن سب سے چشم پوشی کرنا ہی اَنسب معلوم ہوا۔ مگر آج جب کہ میرے سامنے اطراف و جوانب ہندو پاکستان سے آنے والے مودودی صاحب کی تصانیف کے اقتباسات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور پانی سر سے گزر گیا ہے تو اُن کے دیکھنے اور سمجھنے سے میں مندرجہ ذیل نتیجے پر پہنچنے میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں‘‘۔

آپ کی تحریکِ اسلامی خلاف سلف صالحین مثل معتزلہ، خوارج، روافض وغیرہِ فرق قدیمہ اور مثل قادیانی، چکڑالوی، مشرقی، نیچری، مہدوی، بہائی وغیرہِ فرق جدیدہ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے اور اِسی کی طرف لوگوں کو کھینچ رہی ہے۔

اِس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اِس تحریک سے علیحدہ رہنے اور مودودی صاحب کے لٹریچروں کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں۔

آپ حضرات کا یہ ارشاد کہ ہم کو مودودی صاحب کے اعتقادات اور شخصی خیالات سے سروکار نہیں ہے ہم اِس کا بار بار اعلان کر چکے ہیں۔ ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرقی صاحب نے لوگوں کے اعتراضات کو تحریکِ خاکساران میں رکاوٹ دیکھ کر اعلان کیا کہ ہم تو مسلمانوں میں جنگی اور حربی تعلیم اور اسپرٹ پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے عقائد اور ہماری تصانیف سے مسلمانوں کو کوئی سروکار نہیں ہے۔

پھر کیا ایسا ہوا اور جماعتِ خاکساران کیا اپنے لیڈر کے عقائد و اخلاق اور اُس کے تصانیف کی گندگیوں سے محفوظ رہی؟ خود مودودی صاحب کی زبان سے سُن لیجئے۔ (دیکھئے ترجمان القرآن ۲ص ۹۔۱۰، بابت ماہ صفر و ربیع الاول بہ عنوان خاکسار تحریک اور علامہ مشرقی)

محترما! جب کوئی تحریک کسی شخص کی طرف منسوب ہوگی تو وہ قبلۂ توجہ ہوگا اور اُس شخص کے عقائد و اخلاق کا اثر ممبروں پر قطعی طور پر ضرور پڑے گا۔ خصوصاً جبکہ مودودی صاحب کے لٹریچر برابر زور دار طریقے پر شائع کئے جا رہے ہیں۔ اور ممبروں اور غیر ممبروں کو ان کے مطالعے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ایسے وقت میں وہ زہریلے مواد جو نہایت چالاکی سے زور دار تحریروں میں رکھے گئے ہیں اپنے اثر سے خالی نہیں رہ سکتے۔

میرے محترم! اُمور مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ جناب سے شرفِ ملاقات سے کیا نتیجہ حاصل ہوسکتا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲/ص ۳۷۷)

۲۔ روزنامہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۴، اگست اور پھر سنڈے ایڈیشن مورخہ ۶، اگست ۱۹۵۱ء میں مودودی جماعت اور اُس کے لٹریچر کے متعلق علمائے دیوبند کا ایک متفقہ بیان شائع ہوا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں:

’’مودودی صاحب کی جماعت اور جماعت کے لٹریچر سے عام لوگوں پر یہ اثرات مُرتّب ہوتے ہیں کہ آئمہ ہدایت کے اتباع سے آزادی اور بے تعلقی پیدا ہوجاتی ہے جو عوام کے لئے مُہلک اور گمراہی کا باعث ہے اور دین سے صحیح وابستگی قائم رکھنے کے لئے صحابہ کرام اور اسلاف عظام سے جو تعلق رہنا چاہئے اس میں کمی آجاتی ہے جو یقیناً مسلمانوں کے دین کے لئے مضر ہے‘‘۔

اِس لئے ہم اُن اُمور کو اور اُن پر مشتمل تحریک کو غلط اور مسلمانوں کے لئے مُضر سمجھتے ہیں اور اِس سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔ (دو مسئلے ص ۱۶ شائع کردہ دارالعلوم دیوبند)

۳۔ صدر دیوبند مولانا حسین احمد صاحب کے معتمد اور اُن کے جامع مکتوبات جناب مولوی نجم الدین اصلاحی نے جماعت اسلامی کے متعلق جو تفصیلی بیان شائع کیا ہے اُس کے پڑھنے کے بعد یہ بات ایک دَم آئینہ ہوجاتی ہے کہ دیوبندی جماعت کے

سارے حلقے جماعتِ اسلامی کے مہلک، گمراہ اور باطل ہونے پر متفق ہیں۔

ذیل میں بیان کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

''مودودی تحریک جو جماعتِ اسلامی کے نام سے ہند اور پاکستان میں چلائی جارہی ہے، دیوبند، سہارنپور، دہلی، پھلواری شریف، خانقاہ امدادیہ، اعظم گڑھ، لکھنؤ، جونپور، مئو، خانقاہ رحمانیہ، کچھوچھہ شریف، سورت، ڈابھیل، بمبئی، کانپور، بنارس، دائرہ شاہ اجمل الہ آباد وغیرہ کے مفتی صاحبان اور معمر علماء کی اکثریت اس جماعت کو مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتی ہے اور جمعیۃ علماء، تبلیغی جماعت، احرار، مسلم لیگ اور اہلحدیث، جماعتی حیثیت سے تحریک کے اندر مذہبی اور سیاسی گمراہیاں پاکر مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ مسلمان اس جماعت سے کنارہ کش رہیں۔ دین کی سلامتی اسی میں ہے۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲/ص ۳۰۷)

مذکورہ بالا تمام عبارتوں سے مدعا صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ علماء دیوبند جو توہینِ رسول، تحقیرِ اسلاف اور اپنے اعتقادی مفاسد کے لئے نصف صدی سے سارے جہاں میں موردِ الزام ہیں وہ بھی جماعتِ اسلامی کی بے راہ روی اور فکری الحاد سے خاطر برداشتہ ہیں۔

اس کو دیوانے بھی کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے

''غیروں کی شکایت کسی خارجی جذبے پر مبنی ہوسکتی ہے لیکن اپنوں کا برہم ہونا تو بلاوجہ نہیں ہے''۔

جماعتِ اسلامی کا نیا مرکز

جماعتِ اسلامی کس رُخ پر مسلمانوں کو لے جانا چاہتی ہے اُسے سمجھنے کے لئے پہلے اُس کا فکری مزاج اور اندازِ تربیت سمجھنا ہوگا۔

ردّ وانکار کی عام راہوں سے ہٹ کر طویل عرصے تک جماعت کے لٹریچر، طریقِ تربیت اور ذہنی تبدیلیوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جماعتِ اسلامی پُر اسرار کمیونسٹوں کی طرح نہایت چالاکی اور خموشی کے ساتھ ذہنوں پر چھاپہ مارتی ہے۔

سب سے پہلے پُرکشش اور خوشنما لٹریچر کے ذریعے جسے جماعت کا گشتی دارالمطالعہ مفت سپلائی کرتا ہے وہ اپنا زہر اجنبی دماغوں میں اُتارتی ہے اور جب ذہن مسحور ہوجاتا ہے تو اُسے ایک نہایت مُہلک اور خطرناک قسم کی جماعتی نخوتِ فکر میں مبتلا کردیتی ہے۔

ابتلا کے بعد اُس کا ہر ممبر اپنی فکری سطح کو عام مسلمانوں کی سطح سے برتر سمجھنے لگتا ہے۔ رفتہ رفتہ جماعتی عصبیّت کا عقیدہ زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ آگے چل کر یہ اجتماعی تحریک ایک مذہبی فرقے کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

ذہنی رُجحانات سے لے کر عملی میدانوں تک ہر جگہ اپنے اور بیگانے کا امتیاز پوری شدّت کے ساتھ اُبھرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ تعلیم وتدریس، دینی استفادہ، تقریر ومطالعہ اور مالی امداد واعانت کا کوئی تعلق جماعت کے باہر کے افراد سے قطعاً نہیں رکھا جاتا۔

''جاہلیت'' کی نئی اصطلاح اُن مسلمانوں پر بولی جاتی ہے جو جماعت سے باہر ہیں یا جماعت کے زہریلے جراثیم سے اپنے حلقۂ اثر کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں بالکل ایک مذہبی فرقے کی طرح جماعتی تعلق کو خاندانی رشتوں پر ترجیح دی جاتی ہے بلکہ ہر ممبر کو جماعتی سرگرمیوں کی راہ میں حائل ہونے والے خاندان اور معاشرہ سے کٹ کر ایک باغی کی طرح زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

چنانچہ خود مولانا مودودی جو اِس جماعت کے بانی اور فکری طور پر مرکزِ قیادت ہیں

ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

''جہاں خاندان کے لوگ جاہلیت میں مبتلا ہوں اور راہِ راست پر چلنے میں اپنے بھائی بندوں کی مزاحمت کرتے ہوں وہاں توفی الواقع جُدائی ڈالنا ہی ہمارا کام ہے۔ایسے اعزہ واقارب اور دوستوں سے اہلِ ایمان کو ملانا نہیں بلکہ توڑنا اور کاٹنا ہی ہمارے پیشِ نظر ہے''۔(رسائل ومسائل ج ا/ص ۳۸۷)

اتنا ہی نہیں بلکہ اِس ماحول میں پہنچ کر جماعت کا ہر ممبر جماعت کی فکری اور عملی برتری کی نخوت میں اتنا خود رفتہ بنادیا جاتا ہے کہ تمام بزرگانِ اُمت اور سلف صالحین پر حرف گیری ونکتہ چینی اُس کا جماعتی عقیدہ بن جاتا ہے اور اِسی غلط جذبے میں ملّتِ اسلام کی تمام برگزیدہ ہستیوں سے اپنے ذہن وفکر کا رابطہ توڑ کر وہ صرف اپنی جماعت کے رہنماؤں کی فکری اور عملی برتری پر عقیدہ رکھنے لگتا ہے۔

واضح رہے کہ ذہن کی یہ انقلابی کیفیت اچانک رونما نہیں ہوجاتی بلکہ رفتہ رفتہ یہ زہر دماغوں میں سرایت کرتا ہے جس کے لئے لٹریچر میں خاص طور پر ایسے مواد فراہم کئے جاتے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ازخود ذہن کا رشتہ ماضی کی شخصیتوں سے کٹ جاتا ہے۔

ذیل کی شہادت سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوجائیگا کہ جماعتِ اسلامی کس رُخ پر مسلمانوں کو لے جانا چاہتی ہے۔

بانیِ جماعت مولانا مودودی ایک سوال کے جواب میں تحریر کرتے ہیں:

''میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنّت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اِس لئے کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خُدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرنا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں''۔(روداد، اجتماع، ج ۳/ص ۲۷)

اِس جواب کی اسپرٹ پر غور فرمایئے۔ الزام یہ نہیں ہے کہ مولانا مودودی قرآن وسنّت کو دین کا ماخذ کیوں سمجھتے ہیں۔ بلکہ اعتراض یہ ہے کہ ماضی کے اشخاص میں صحابۂ کرام

سے لے کر تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، علمائے راسخین، مُفسّرین ومُحدّثین اور اولیائے کاملین سبھی شامل ہیں جن کی مشترک جدوجہد اور متوارث کوششوں سے دین اپنی واضح اور مفصل تشریحات کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے''

لیکن مولانا مودودی کو نہ اُن بزرگوں کی فکر ودیانت پر اعتماد ہے اور نہ اُن کی تشریحات پر بھروسہ ہے وہ اکیلے سب کی رائے کو ٹھکرا کر صرف اپنی رائے کی برتری دنیا سے منوانا چاہتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن وسنّت ہی دین کا اصل ماخذ ہے لیکن بحث الفاظ وعبارت میں نہیں اُن کے مفہوم ومعنیٰ میں ہے اور ظاہر ہے کہ مفہوم کی تعین میں فہم ہی کو دخل ہے اور جب اکابرِ اُمت کا فہم مولانا مودودی کے نزدیک قابلِ اعتماد نہیں ہے تو خود ان کے فہم پر کوئی کیسے اعتماد کرسکتا ہے۔

لہٰذا بتایا جائے کہ قرآن وسنّت سے براہِ راست دین کے سمجھنے کی کیا صورت ہوگی۔ مولانا مودودی اور ان کے رفقاء چوں کہ اپنے آپ کو اجتہاد کی مسند پر فائز سمجھتے ہیں اِس لئے اگر وہ ملّت کے اماموں اور ماضی کے اشخاص سے مستغنی ہوجائیں تو اِس دورِ الحاد میں کون اُن کی کلائی تھامنے والا ہے۔

جیسا کہ بھرپور جذبۂ تعلی کے ساتھ مولانا نے خود ایک جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے:

''میں نہ مسلکِ اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیّت یا شافعیّت ہی کا پابند ہوں''۔(رسائل ومسائل ج ا/ص ۱۵۸)

آج دُنیا میں بنام اسلام دو ہی طرح کی جماعتیں ہیں۔ایک ائمہ اسلام کے مقلدین دوسری اہلِ حدیث۔لیکن مولانا نہ اِس میں ہیں نہ اُس میں نیا دین نئی جماعت!

اور غضب یہ ہے کہ مولانا کے ''فیضانِ صحبت'' سے اُن کے حلقہ بگوشوں میں بھی اب اجتہاد کے دعویدار پیدا ہونے لگے ہیں۔جیسا کہ جماعتِ اسلامی کا ایک ''مجتہد'' مولانا کے نام اپنے ایک خط میں اس کا اظہار کرتا ہے ملاحظہ ہو:

''میں عرصہ سے تجرد کی زندگی گزار رہا ہوں اور اِس سب کی ذمہ داری میرے ''اجتہاد'' کے سر ہے''۔ (رسائل ومسائل ج ا/ص ۱۳۱)

بہرحال کہنا یہ ہے کہ جولوگ علم دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں اُن کے لئے دین سے باخبر ہونے کا آخر کون سا ذریعہ ہے؟ انہیں تو بہرحال دین سمجھنے کے لئے کسی کے فہم ودانش پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔

پس جہاں تک اکابرِ اُمت کے فہم پر اعتماد کرنے کا سوال ہے گزر چکا ہے کہ مولانا مودودی انہیں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں اور دین کا فہم حاصل کرنے کے لئے انہیں اپنا مرجع تسلیم نہیں کرتے۔

ماضی کے اشخاص سے بے تعلقی اُنہی کی ذات تک محدود رہتی تو ہم اسے صبر کر لیتے لیکن قیامت یہ ہے کہ تنقید کا ناپاک سہارا لے کر اپنے تئیں انہوں نے اُن مقدس ہستیوں کو اتنا بے اعتبار ٹھہرا دیا ہے کہ اب مشکل ہی سے جماعتِ اسلامی کا کوئی نیاز مند اُن پر اعتماد کر سکے گا۔ اِلاّ آنکہ خود مولانا مودودی سے وہ بدگمان ہوجائے اور یہ تقریباً ناممکن ہے۔

اُمّت سے لے کر پیغمبر تک سبھی قلم کے نشانے پر

اب ذیل میں اُن مقامات کی نشان دہی کرنا چاہتا ہوں جہاں تنقید کے نام پر مولانا مودودی اور اُن کے متبعین نے اکابر اُمّت کے عالمگیر اعتماد کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ان کے بے لگام قلم نے قرآن اور صاحبِ قرآن تک کو تنقید کی زد پر لائے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ سب سے پہلے مولانا کی نخوت فکر کا ایک عام انداز ملاحظہ فرمائیے۔ ایک خط کے جواب میں موصوف تحریر کرتے ہیں:

''میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی وتنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں۔ جو کچھ حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب وسنت کے لحاظ سے یا حکمتِ علمی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اسے صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں''۔ (رسائل ومسائل ج ا/ص ۳۹۶)

آسمان کی ایک ''معصوم وبرتر ہستی'' کی حیثیت میں مولانا مودودی نے ''زمین کے خطا شعار انسانوں'' پر جو ''بے لاگ نکتہ چینی'' فرمائی ہے اب اس کی تھکا دینے والی فہرست ذیل میں ترتیب وار ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ امامِ ربّانی مُجدّدِ الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب پر نکتہ چینی

گیارہویں صدی کے مُجدّد امام رَبَّانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مُجدّد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور اُن کے خلفاء تک کے تجدیدی کاموں میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوّف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور اُن کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی''۔ (تجدید واحیائے دین ص ۸۹)

۲۔ حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی

دُنیائے اسلام کے واجب الاحترام پیشوا امام غزالی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں:

''امام غزالی کے تجدیدی کاموں میں علمی اور فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ایک قسم اُن نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے اُن کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم اُن نقائص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبے کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوّف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے''۔ (تجدید و احیائے دین، ص۵۶)

امام غزالی پر نکتہ چینی کا اس سے بھی زیادہ گہرا رنگ دیکھنا چاہتے ہوں تو مولانا مودودی کے دیرینہ رفیق مولانا امین احسن اصلاحی کا یہ سنسنی خیز بیان پڑھئے:

''امام غزالی کے نام ہی سے لوگ مرعُوب ہیں وہ جو چاہیں انہیں بنا کر رکھ دیں۔ وہ فلسفۂ یونان کے چکّر سے اخیر تک نہ نکل سکے۔ انہوں نے حقیقتِ نبوّت سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ امام غزالی کی شہادت ہم کو کیا مطمئن کرسکتی ہے''۔ (ترجمان القرآن ج ۸۷/ص ۳۳۴)

۳۔ مُحقّقینِ اسلام پر نکتہ چینی

اُمّت کے اِس مایۂ ناز طبقے پر جس کی علمی تحقیقات آج بھی ہمارے لئے مشعلِ فکر ہے نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اسلام میں ایک نشأۃِ جدیدہ کی ضرورت ہے۔ پرانے اسلامی مُفکّرین و مُحقّقین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ (تنقیحات ص۱۵)

سوائے مولانا مودودی اور اُن کے متبعین کے اب علم وفکر کا یہ نیا سرمایہ اُمّت کو کون

دے سکتا ہے۔

۴۔ قدیم مُصنّفینِ اسلام پر نکتہ چینی

وہ مشاہیرِ اسلام جنہوں نے خُداداد بصیرت کی روشنی میں قرآن وحدیث کی تشریح فرمائی اور دین کا ایک مرتب علم اُمّت کے سامنے پیش کیا اُن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''اصولِ فقہ، احکامِ فقہ، اسلامی معاشیات، اسلام کے اصول عمران اور حکمتِ قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قدیم کتابیں اب درس وتدریس کیلئے کارآمد نہیں ہیں''۔ (تنقیحات ص۲۱۳)

دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

''قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا ہو''۔ (تنقیحات ص۳۱۲)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''قرآن وسنّت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر قرآن وحدیث کے پرانے ذخیرے سے نہیں''۔ (تنقیحات ص۱۱۴)

جب تک کوئی نیا رسول نہ پیدا ہو قرآن وحدیث کا نیا ذخیرہ کہاں سے فراہم ہوسکتا ہے دیکھنا چاہئے آگے کیا گُل کھلتا ہے۔

۵۔ جماعتِ مُحدّثین پر نکتہ چینی

اُمّت کے اِس پاک طینت گروہ پر جس نے جگر کا خون جلا کر احادیث کا ذخیرہ جمع کیا اور اِس فن کو اسلام کا ایک عظیم الشان فن بنا دیا نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ہم نے کبھی اِس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمۂ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہئے یا اُن کو غلطی سے مُبرّا سمجھنا چاہئے نہ ہم نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ

ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اُس کو آنکھ بند کر کے
رسول اللہ ﷺ کی حدیث مان لیا جائے''۔ (تفہیمات مطبوعہ حیدرآباد،ص ۲۸۶)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''مُحدِّثین پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔
انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرۃً اللہ نے مقرر کر رکھی ہے اُن سے آگے تو وہ
نہیں جاسکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اُس
سے تو اُن کے کام بھی محفوظ نہ تھے''۔ (تفہیمات،ص ۲۹۲)

ایک خط کے جواب میں تحریر کرتے ہیں:

''مُحدِّثین جن بنیادوں پر احادیث کے صحیح، یا غلط، یا ضعیف وغیرہ ہونے کا
فیصلہ کرتے ہیں اُن کے اندر کمزوری کے مختلف پہلو میں اپنے مضمون مسلک
اعتدال میں بیان کر چکا ہوں۔ جن اُمور کو میں نے وہاں نظیر میں پیش کیا ہے
وہ بیشتر علاء ابن عبدالبر کی کتاب ''جامع بیان العلم'' سے ماخوذ ہیں'' آپ براہِ
کرم مجھے بتایئے کہ فی الواقع کمزوری کے وہ پہلو فنِ حدیث میں موجود ہیں
یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو پھر آخر آپ حضرات مُحدِّثین کی آراء پر ایمان لانے کا
مطالبہ کیوں اِس شدّ ومد سے کرتے ہیں''۔ (رسائل ومسائل، ج ۱/ص ۲۳۰)

ایک سوال کے جواب میں فنِ حدیث کے نظام عمل کو یوں مسخ کرتے ہیں:

''آپ کے نزدیک ہر اُس روایت کو حدیثِ رسول مان لینا ضروری ہے
جسے مُحدِّثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری
نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں
سمجھتے''۔ (رسائل ومسائل ج ۱/ص ۲۲۹)

ایک اور مقام پر حدیث کی بنیاد کو اِس طرح متزلزل کرتے ہیں:

''مجرد حدیث پر ایسی کسی چیز کی بنا نہیں رکھی جاسکتی جسے مدار کُفر وایمان قرار

دیا جائے۔ احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی آتی ہیں جن
سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ محض گمانِ صحت ہے نہ علم
الیقین''۔ (رسائل ومسائل، ج ۱/ص ۲۱۱)

۶۔ ائمۂ مُجتہدین وفقہائے اسلام پر نکتہ چینی

وہ ائمۂ اسلام جنہوں نے قرآن وحدیث کے احکام وقوانین کی تشریح فرمائی اور علم الفقہ
کے نام سے اِسے ایک عظیم الشّان فن بنادیا اور جن کے گرانقدر احسانات سے اُمّتِ مسلمہ
قیامت تک سبکدوش نہیں ہوسکتی، اُن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اِس وقت کے حالات میں شاہراہِ عمل تعمیر کرنے کیلئے ایسی مستقل قوتِ
اجتہادیہ درکار ہے جو مجتہدینِ سلف میں سے کسی ایک کے علوم اور منہاج کی
پابند نہ ہو''۔ (تجدید واحیائے دین،ص ۸۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''فقہاء کا قانون اپنی سختیوں کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والا
اور انہیں مرتد بنانے والا ہے''۔ (ترجمان القرآن، مئی ۱۹۴۹ء)

عوام کی نگاہ میں فقہائے اسلام کا علمی ومذہبی وقار مجروح کرنے کی ایک خطرناک
سازش ملاحظہ فرمایئے، مولانا مودودی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''داڑھی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے۔
صرف یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رکھی جائے۔ اگر آپ داڑھی رکھنے میں فاسقین
کی وضعوں سے پرہیز کریں اور اتنی داڑھی رکھ لیں جس پر عرف عام میں
داڑھی رکھنے کا اطلاق ہوتا ہے تو شارع کا منشاء پورا ہوجاتا ہے خواہ اہلِ فقہ کی
استنباطی شرائط پر وہ پوری اُترے یا نہ اُترے''۔ (رسائل ومسائل، ج ۱/ص ۱۴۰)

میں نے اِسے ''خطرناک سازش'' اِس لئے کہا ہے کہ فقہاء اسلام کو نگاہِ اعتبار سے
گرانے کے لئے مولانا مودودی نے اِس مقام پر حدیث میں بھی تحریف کرڈالی ہے۔ حقیقت

یہ ہے کہ حضور ﷺ نے صرف داڑھی رکھنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ داڑھی رکھنے اور داڑھی بڑھانے میں جو فرق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔

اِس حکم کے بعد یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ داڑھی کہاں تک بڑھائی جائے؟ فقہائے اسلام نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے ایک مُشت اِس کی حد بیان کر کے ہمیشہ کے لئے اِس سوال کو طے کر دیا ہے۔ اُن کا استنباط بے بنیاد نہیں ہے لیکن اِس پر مولانا مودودی صرف اِس لئے چوٹ کر رہے ہیں کہ اُن کے دینی اعتماد کو مجروح کر کے اپنے سیاسی اقتدار کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے۔

۷۔ مُجدّدِ دینِ اُمّت پر نکتہ چینی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر سو برس پر اللہ تعالیٰ ایک مردِ کامل پیدا کرتا ہے جو تائیدِ الٰہی کے بل پر دینِ حق کو باطل کی آمیزش سے پاک کرتا رہتا ہے۔ شریعت کی زبان میں اسے ''مُجدّد'' کہا جاتا ہے۔

مولانا مودودی کہتے ہیں کہ تیرہ سو برس کی مدّت میں جتنے مُجدّد دین پیدا ہوئے سب کے سب ناقص تھے مُجدّدِ کامل کی جگہ اب تک خالی ہے۔ انہی کے الفاظ میں مُجدّدِ دینِ اسلام پر اُن کی نکتہ چینی ملاحظہ فرمائیے:

> ''تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مُجدّدِ کامل پیدا نہیں ہوا۔ قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اِس منصب پر فائز ہوتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اُن کے بعد جتنے مُجدّد پیدا ہوئے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مُجدّدِ کامل کا مقام اب تک خالی ہے''۔ (تجدید و احیا، ص ۳۱)

یہ سوال تا ہنوز اپنی جگہ پر محتاجِ بحث ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ناقص مُجدّدِ دین کی خبر دی ہے اور پھر کیا تیرہ سو برس کی لمبی مدت میں حضور کا فرمان کبھی بھی کامل طور پر پورا نہیں ہوا؟

کچھ بھی ہو بہر حال آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ دیر یا سویر اِس منصب پر مولانا

مودودی فائز ہو کر رہیں گے۔ اور انہیں حق بھی پہنچتا ہے کہ بڑی کاوش سے انہوں نے ایک ''خالی جگہ'' کا سراغ لگایا ہے۔

۸۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما پر نکتہ چینی

اپنے وقت کے مشہور تابعی جن کے دَورِ خلافت کو اہلِ علم خلافتِ راشدہ سے تشبیہ دیتے ہیں، اُن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> ''جب تک اجتماعی زندگی میں تغیر واقع نہ ہو کسی مصنوعی تدبیر سے نظامِ حکومت میں کوئی مستقل تغیر نہیں کیا جا سکتا۔ عمر بن عبدالعزیز جیسا زبردست فرمانروا جس کی پُشت پر تابعین و تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت تھی اِس معاملہ میں قطعاً ناکام ہو چکا ہے''۔ (اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، ص ۲۰)

۹۔ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی

مشہور سپہ سالارِ اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں دربارِ رسالت سے سیف اللہ کا لقب عطا ہوا، اور اسلام کی حیرت انگیز فتوحات جن کے جوہرِ اخلاص اور جوہرِ شمشیر دونوں کی مشترک یادگار ہے اُن کی دینی حمیّت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں:

> ''اسلام کی عاقلانہ ذہنیت کسی خفیف سے خفیف غیر اسلامی جذبہ کی شرکت بھی گوارا نہیں کر سکتی اور اِس معاملہ میں اِس قدر نفس کے میلانات سے متنفر ہے کہ حضرت خالد جیسے صاحبِ فہم انسان کو اِس کی تمیز مشکل ہو گئی''۔ (ترجمان القرآن ربیع الثانی، ۱۳۵۷ھ)

یعنی معاذ اللہ نفس کے میلانات سے وہ اِس درجہ متاثر تھے کہ اسلامی اور غیر اسلامی جذبے کے درمیان تمیز نہیں کر سکے۔

۱۰۔ عام صحابۂ رسول پر نکتہ چینی

انبیائے کرام کے بعد دنیا کے وہ کامل ترین طبقہ جس کے متعلق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں اُن میں سے جس کی بھی پیروی کی جائے ہدایت یاب ہونے کے لئے کافی ہے۔

اسلامی کائنات کی اِن واجب الاحترام ہستیوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''برسوں کی تعلیم وتربیت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن کو میدانِ جنگ میں لائے اور باوجودیکہ اُن کی ذہنیت میں انقلابِ عظیم رونما ہو چکا تھا مگر پھر بھی اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں صحابۂ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ کو سمجھنے میں بار بار غلطیاں کر جاتے تھے''۔(ترجمان القرآن، ربیع الثانی ۵۷ھ)

اِس مقام پر اتنا اور ذہن میں رکھ لیا جائے کہ مشاہیر صحابۂ کرام کو چھوڑ کر عام صحابہ کو مولانا مودودی ''معیاری مسلمان'' (پکے مسلمان) نہیں سمجھتے۔ واضح رہے کہ مولانا کے نزدیک چونکہ صحابہ کا قول وعمل دینی احکام کے لئے حجت نہیں ہے اِس لئے ''معیاری مسلمان'' سے اُن کی مُراد کامل مسلمان ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ عامی لوگ نہ کبھی عہدِ نبوی میں معیاری مسلمان تھے اور نہ اُس کے بعد اُن کو معیاری مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا''۔(تفہیمات، ص۳۱۰)

عہدِ نبوی میں ''عامی لوگ'' کون تھے؟ وہ بھی حضور اکرم کے صحابہ ہی تھے مگر اُن کا شمار طبقۂ عوام میں تھا۔ اُنہی کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ''معیاری مسلمان'' نہ تھے۔

اب معیاری مسلمان کون لوگ ہیں؟ مولانا کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''معیاری مسلمان تو دراصل اس زمانے میں بھی وہی لوگ تھے اور اب بھی وہی لوگ ہیں جو قرآن وحدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کی رگ وپے میں قرآن کا علم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کا نمونہ

سرایت کر گیا ہو''۔(تفہیمات، ص۳۱۱)

یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں عام صحابہ نہ قرآن وحدیث کے علوم پر نظر رکھتے تھے اور نہ اُن کی رگ وپے میں قرآن کا علم اور نبی ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کا نمونہ سرایت کر گیا تھا۔ آج بھی جماعتِ اسلامی کا کوئی ممبر اِن اوصاف کا حامل ہو تو وہ حضور ﷺ کے عام صحابہ کے مقابلہ میں ''معیاری مسلمان'' ہے۔ معیاری مسلمان ہونے کے لئے عہد نبوی اور صحبت نبوی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

عام صحابہ پر نکتہ چینی کے بعد اب خلفائے راشدین پر نکتہ چینی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

۱۱۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی

اسلامی حمیّت وغیرت پر بحث کرتے ہوئے مولانا مودودی اِن الفاظ میں خلیفۂ اول پر نکتہ چینی کرتے ہیں:

''یہ اتنا نازک ہے کہ ایک مرتبہ صدیقِ اکبر جیسا بے نفس اور متورع اور سراپا للّٰہیت انسان بھی اس کو پورا کرنے سے چوک گیا''۔(ترجمان القرآن، ۵۷ھ)

یعنی معاذ اللہ اُن کے اندر سے اسلامی حمیّت وغیرت رُخصت ہوگئی۔

۱۲۔ امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی

شخصیت پرستی سے متعلق جاہلی تخیل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ صحابۂ کرام میں بھی مٹتے مٹتے اس کا اثر کبھی کبھی نمایاں ہو جاتا تھا۔ اِن الفاظ میں خلیفۂ دوم پر مولانا مودودی نکتہ چینی کرتے ہیں:

''اِس جگر گداز خبر کو سُن کر کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی حضرت عمر جیسا اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بھی وفورِ جذبات میں توازن کھو دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتا ہے کہ قضائے الٰہی کے سامنے بالا و پست سب ایک ہے اور حیران ہو ہو کر سوچتا ہے کہ اتنی بڑی ہستی کس طرح اِس معمولی انداز میں گزر جا سکتی

ہے۔ پیغمبرانہ شخصیت کی بزرگی کا جو سکّہ نفس میں مرتسم تھا اس کی بنا پر وہ آپ کی
وفات کا یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھے''۔ (ترجمان ربیع الثانی، ۷۵ھ)

خُدارا انصاف فرمائیے! حضرت فاروقِ اعظم کی اِس اضطراری کیفیت کو جو سرتا سر
عشق و ایمان کی وارفتگی کے نتیجے میں تھی اُسے جاہلی شخصیّت پرستی کے زیرِ اثر قرار دینا خلاف
واقعہ ہونے کے علاوہ ایک خلیفۂ راشد پر کتنی سخت چوٹ ہے۔

۱۳۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر نکتی چینی

خلافتِ راشدہ پر جاہلیّت کا حملہ کس طرح ہوا۔ اِس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے
مولانا مودودی خلیفۂ سوم پر اِن الفاظ میں نکتہ چینی کرتے ہیں:

''ایک طرف حکومتِ اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز
زیادہ سخت ہوتا جارہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا
بار رکھا گیا تھا اُن خصوصیات کے حامل نہ تھے جو اُن کے جلیل القدر پیش رؤں
کو عطا ہوئی تھی۔ اِس لئے جاہلیّت کو اسلامی نظامِ اجتماعی میں گھس آنے کا
راستہ مل گیا''۔ (تجدید واحیائے دین، ص۳۳)

۱۴۔ امیر المؤمنین حضرت علی شیرِ خُدا رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی

مولائے کائنات حضرت علی شیرِ خُدا کے دَورِ خلافت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا
مودودی اِن الفاظ میں خلیفۂ چہارم پر نکتہ چینی کرتے ہیں:

''اِس کے بعد (یعنی حضرت عثمان غنی کے دَورِ خلافت کے بعد) حضرت علی
آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیّت کے تسلّط سے
بچانے کی انتہائی کوشش کی لیکن اُن کی جان کی قربانی بھی اِس انقلاب معکوس
کو نہ روک سکی''۔ (تجدید واحیائے دین، ص۲۳)

حضرت مولائے کائنات کی عظمت پر اِس سے بھی زیادہ تیز نشتر دیکھنا ہو تو جماعتِ

اسلامی کے شعلہ مزاج حامی مولانا عامر عثمانی ایڈیٹر تجلی دیوبند کا یہ بیان پڑھئے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے سوال پر حضرت علی رضی اللہ
عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو یہ جواب دیا تھا کہ ابھی حالات قابو میں نہیں
ہیں وقت آنے پر ضرور انتقام لیا جائیگا۔ اِس جواب پر تنقید کرتے ہوئے مولانا عامر قمطراز ہیں:

''انصاف کرو اگر تم معاویہ ہوتے یا معاویہ نہ سہی شام کے ایک عام شہری
ہوتے تو کیا بیان شُدہ پس منظر و پیش منظر میں جوابِ علی کو حیلے، گریز، پہلو
تہی اور حُسنِ انکار کے سوا نیک نیتی پر محمول کرتے؟ (تجلی دیوبند دسمبر، ۵۸ء)

معاذ اللہ! کتنی ناپاک جسارت کے ساتھ ناہنجار قلم نے ایک ہی جنبش میں مولائے
کائنات کو حیلہ باز، بدنیّت اور فریب کار لکھ ڈالا۔

آخر تنقید کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے دُشنام طرازی تک پہنچ ہی گیا۔ حضرت علی ہوں یا امیر
معاویہ دونوں صحابیِ رسول ہیں۔ دونوں ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں جو اِن دونوں
بزرگوں میں سے کسی کو بھی نشانۂ طعن بناتا ہے وہ دل کا شقی اور زبان وقلم کا بہت بڑا جفاکار
ہے۔ جماعت اسلامی کا لٹریچر اِسی طرح کا گُستاخ ذہن اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے۔

۱۵۔ قرآنِ مجید پر نکتہ چینی

قرآن کے قانونِ سزا پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

''جہاں معیارِ اخلاق بھی اتنا پست ہو کہ ناجائز تعلقات کو کچھ بہت
معیوب نہ سمجھا جاتا ہو ایسی جگہ زنا اور قذف کی شرعی حد جاری کرنا بلاشبہ
ظلم ہے''۔ (تفہیمات، ج۲/ص۲۸۱)

ظاہر ہے کہ قرآن نے زنا وغیرہ کی جو سزا مقرر کی ہے اُس میں کسی ماحول کا استثنا نہیں
کیا ہے اِس لحاظ سے وہ مولانا کے ذِکر کردہ ماحول میں بھی جاری ہوگی اور یہ موصوف کی نظر
میں بلاشبہ ظلم ہے۔

اب مولانا ہی بتائیں کہ تعزیرات سے متعلق آیتوں کو منسوخ یا مقید کئے بغیر قرآن کو

اِس سنگین الزام سے کیوں کر بچایا جائے۔ اِسی قرآن کے متعلق دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''قرآنِ کریم نجات کے لئے نہیں بلکہ ہدایت کے لئے کافی ہے''۔

(تفہیمات، ج ا/ص ۳۱۲)

یعنی مولانا موصوف کے نزدیک قرآن صرف ہدایت کی ضمانت دیتا ہے نجات کی ضمانت نہیں دیتا۔ بتایا جائے کہ جو لوگ ہدایت کے ساتھ ساتھ نجات بھی چاہتے ہیں وہ قرآن کے علاوہ کس کتاب کو مشعلِ راہ بنائیں۔

۱۶۔صاحبِ قرآن شہنشاہِ رسالت محمد رسول اللہ ﷺ پر نکتہ چینی

حضور اکرم ﷺ کے ذاتی خیالات وخواہشات کو عام انسانی خیالات وخواہشات کی طرح بے وُقعت قرار دیتے ہوئے مولانا مودودی اِن الفاظ میں منصبِ نبوّت پر نکتہ چینی کرتے ہیں:

''رسول ہونے کی حیثیت سے جو فرائض حضور پر عائد کئے گئے تھے اور جو خدمات آپ کے سپرد کی گئی تھیں اُن کی انجام دہی میں آپ اپنے ذاتی خیالات وخواہشات کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد نہیں چھوڑ دیئے گئے تھے''۔ (ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ص ۳۱۰)

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''رہی عقل تو وہ کسی طرح نہیں مان سکتی کہ ایک شخص کو خُدا کی طرف سے رسول بھی مقرر کیا جائے اور اُسے رسالت کا کام اپنی خواہشات ورُجحانات اور ذاتی آراء کے مطالب انجام دینے کے لئے آزاد بھی چھوڑ دیا جائے''۔ (منصبِ رسالت نمبر ص ۳۱۰)

اُس کے بعد دنیوی حکومت کی مثال دیتے ہوئے کہ وہ جب کسی شخص کو کسی علاقہ میں وائسرائے یا گورنر مقرر کرتی ہے تو اُسے اپنی سرکاری ڈیوٹی انجام دینے میں خود اپنی مرضی سے کوئی پالیسی بنا لینے اور اپنے ذاتی خیالات کی بنا پر بولنے اور کام کرنے کے لئے آزاد نہیں

چھوڑ دیتی، تحریر فرماتے ہیں:

''اب کیا خُدا ہی سے اس بے احتیاطی کی اُمید رکھی جائے کہ وہ ایک شخص کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے دنیا بھر کو اُس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی ٹھہراتا ہے (وغیرہ وغیرہ) اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد اُسے چھوڑ دیتا ہے کہ اپنے ذاتی خیالات کے مطابق جس طرح چاہے رسالت کی خدمات انجام دے''۔ (منصبِ رسالت نمبر ۳۱۱)

شرطِ انصاف! اِن عبارتوں کی سطر سطر اِس اَمر کی شہادت دے رہی ہے کہ مولانا مودودی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خیالات وخواہشات کی سطح کو عام انسانوں کی سطح سے ذرا بھی اُونچا نہیں سمجھتے۔

جس طرح عام انسان اپنے ذاتی خیالات وخواہشات کے تحت گمراہ ہو جاتے ہیں اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے ذاتی خیالات وخواہشات کے تحت کارہائے رسالت انجام دینے کیلئے چھوڑ دیا جاتا تو معاذ اللہ خُدا کی مرضی کے خلاف حضور کے بھی قدم اُٹھ سکتے تھے۔

عام انسانوں پر قیاس کرتے ہوئے حضور اکرم کی ذاتی صوابدید کے خلاف مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے اگر وہ حرف آخر نہیں ہے تو انہیں مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ ''بے احتیاطی'' کے الزام سے پاک ومنزّہ رہتے ہوئے خُدا یہ بھی تو انتظام کرسکتا تھا کہ اپنے رسول کی فطرت، اُس کے قلب وذہن، اور اُس کے ظاہر وباطن کو اتنا سنوار دے اتنا نکھار دے اور شائبہ نفسانی سے ایسا پاک ومعصوم بنا دے کہ ہمیشہ کے لئے لغزش کا خطرہ ہی دُور ہو جائے اور اُس کے ذاتی خیالات، اُس کی اپنی خواہشات، اُس کے فطری رُجحانات، اُس کے تمام حرکات وسکنات خُدا کی مرضی کے عین مطابق ہو جائیں۔

مولانا مودودی کھلی آنکھوں سے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے تو اُن پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ خُدا نے ایسا ہی کیا ہے۔

پھر خُدا کی جناب میں ''بے احتیاطی'' کالفظ مولانا مودودی ہی استعمال کرنے کی

جرأت کر سکتے ہیں ایک مسلمان تو اِس کے تصوّر ہی سے کانپ جاتا ہے۔لیکن جب بات چل پڑی ہے تو الزاماً عرض کر رہا ہوں کہ دراصل بے احتیاطی کی صحیح تصویر یہ ہے کہ خُدا ایک شخص کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے، دنیا بھر کو اُس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی ٹھہراتا ہے لیکن اُس کی فطرت، مزاج اور قلب و ذہن کو اتنا بھی نہیں سنوارتا کہ اُس کے ذاتی خیالات، اُس کی اپنی خواہشات، اُس کے فطری رُجحانات خُدا کی عین مرضی کے مطابق ہو جائیں۔

پھر خُدائے قادر اور اُس کے معصوم رسول کے غیبی تعلقات کو دُنیا کی بے اختیار حکومت اور اُس کے پُرتقصیر نمائندوں کے مادی تعلقات پر قیاس کرنا جتنا مضحکہ خیز اور نا معقول اَمر ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔

شقاوتِ فکر کی ایک خون آشوب داستان اور سنئے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اُس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ صلاحیتوں پر اِن الفاظ میں نکتہ چینی کرتے ہیں:

> ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اُس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا۔ اگر خُدا نخواستہ آپ کو بودے، کم ہمت، ضعیف الارادہ اور نا قابلِ اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے؟''۔

(تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں، ص ۱۷)

کیا سمجھے آپ؟ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اُس میں خُدا کی غیبی تائیدوں، حضور اکرم کی پیغمبرانہ صلاحیتوں، کائنات گیر عظمتوں اور کلمۂ حق کی روشن صداقتوں کو قطعاً کوئی دخل نہ تھا۔

حُسنِ اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی استعداد کے لوگ مل گئے تھے اس لئے

حضور کامیاب ہو گئے۔ اگر خُدا نخواستہ اِس طرح کے لوگ نہ ملے ہوتے تو معاذ اللہ حضور کی ناکامی رکھی ہوئی تھی۔

یعنی ساری خوبی مومن بننے والوں کی تھی مومن بنانے والے کے اندر کوئی کمال نہیں تھا۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ! کتنے صاف وصریح طور پر کمالاتِ نبوت اور آیاتِ الٰہی کا انکار کر دیا گیا۔

کیا اِس سے بھی زیادہ دلیری کے ساتھ کوئی دُشمنِ اسلام، رسالت کی روشن تاریخ کو مسخ کر سکتا ہے اور پھر کیا خُدا و رسول کی تنقیصِ شان اور کُفرانِ نعمت کے لئے اِس سے بھی زیادہ کوئی شرمناک پیرایہ اختیار کیا جا سکتا ہے؟

نکتہ چینیوں کا یہ سلسلۂ بیان بہت دراز ہو گیا۔ آپ کا دماغ نہ بھی تھکا ہو تو دل ضرور بوجھل ہو گیا ہوگا۔ اب اِسے یہیں ختم کرتا ہوں۔

زحمت نہ ہو تو ذرا آنکھ بند کر کے پھر ایک بار پچھلے اقتباسات کا جائزہ لیجئے قوتِ تخیّل کی مدد سے آپ محسوس کریں گے کہ مولانا مودودی ایک مطلق العنان فرمانروا کی طرح مسندِ احتساب پر متمکن ہیں اور ایک ایک شخص کی ہستی کا جائزہ لے رہے ہیں۔ کسی کا نامۂ زندگی بھی اُن کی نظر میں بے داغ نہیں ہے ہر شخص کسی نہ کسی الزام کی زد میں ہے۔

مولانا کے نکتہ چیں دماغ کا تار جھنجھنا اُٹھے گا۔ اگر فتنہ پرداز ذہن لے کر اِسی انداز میں کوئی اُن پر بھی تنقید کرنے بیٹھ جائے۔ آج مسلمانوں کی آرزدگیِ خاطر کا انہیں کوئی احساس نہیں لیکن بات جب اپنے اوپر آن پڑے گی تو محسوس ہو جائے گا کہ دل کی ٹھیس کتنی دردناک ہوتی ہے۔

وِجدان کے حوالہ سے اِس مقام پر ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ محبت وعقیدت کی نظر عیب پر نہیں ہمیشہ فضل وکمال پر پڑتی ہے۔

مولانا مودودی کو وہ نگاہ مبارک ہو جس نے کلیسا کا چراغ لے کر کعبے کے پاسبانوں کا عیب تلاش کیا ہے۔

جماعتِ اسلامی اپنے آئینے میں

نیچے سے اُوپر تک اور اُمّت سے پیغمبر تک اسلام کی ساری ہستیوں پر جس بے دردی کے ساتھ مولانا مودودی کے قلم نے نکتہ چینیوں کا انبار لگا دیا ہے وہ پچھلے صفحات میں آپ کی نظر سے گزر چکا ہے۔

مولانا مودودی کو اِس کا کوئی ملال نہیں کہ اُن کے تئیں بڑا سے بڑا انسان بھی بشری کمزوریوں سے پاک نہیں ہے اور اِس پر نکتہ چینی کو وہ اپنے قلم کا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔لیکن تصویر کا دوسرا رُخ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مولانا مودودی خود اپنے اوپر نکتہ چینی کے لئے دوسروں کا یہ پیدائشی حق قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔عملاً وہ اپنی ذات کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں اور اپنے پیدا کردہ جبری ماحول میں ہر شخص کو وہ اپنا ذہنی غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو۔

جماعتِ اسلامی کے ایک اجتماع عام میں مولانا مودودی کی تقریر کا بعض حصہ کچھ رفقائے جماعت کو ناگوار گزرا۔ جماعت کا ایک مخلص ہمدرد مولانا کے نام اپنے ایک مراسلہ میں اس کا یوں تذکرہ کرتا ہے:

''اختتامی تقریر کے بعض فقرے میرے بعض ہمدرد رفقاء کے لئے باعثِ تکدّر رہی ثابت ہوئے اور دوسرے مقامات کے مُخلص ارکان وہمدردوں میں بھی بددلی پھیل گئی''۔(رسائل ومسائل،ج۱/ص۲۳۱)

آگے چل کر لکھتا ہے:

''تقریر کی صحت میں کلام نہیں صرف اندازِ تعبیر اور طرزِ بیان سے اختلاف ہے''۔(رسائل ومسائل)

مراسلہ کا یہ آخری حصہ تقریر کے پس منظر پر روشنی ڈالتا ہے:

''دوسری گذارش یہ ہے کہ حکمت ومصلحتِ شرعی کا تقاضا ہے کہ فروعی مسائل اور

ظواہر سُنَن کی تغیر وتبدیل پر ابتــــداءً اصرار نہ کیا جائے اور نہ خود عملاً ایسا طرز اختیار کیا جائے جس سے مسلمانوں میں توحش وتنفر پیدا ہو''۔(رسائل ومسائل)

''ابتـــــداءً اصرار نہ کیا جائے'' کو ذرا زور دے کر پڑھئے تو مستقبل کا نقشہ واضح ہو جائے گا۔مراسلہ اِس فقرے پر ختم ہوتا ہے:

''جماعتِ اسلامی سے مخلصانہ وابستگی اور دلی تعلق کی بنا پر یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔اُمید ہے غور فرمائیں گے''۔(رسائل ومسائل)

ہزار عجز ونیاز اور اخلاص ونیک نیتی کے ساتھ اتنی نکتہ چینی بھی مولانا کی نخوتِ فکر برداشت نہ کر سکی اور اپنے نیاز مندوں کو مطمئن کرنے کے بجائے مولانا اتنے مشتعل ہو گئے کہ اپنے قلم کی شرافت وسنجیدگی بھی برقرار نہ رکھ سکے۔

مراسلہ کے جواب کا یہ حصہ ملاحظہ فرمایئے:

''جنہیں میری اِس تقریر پر اعتراض کرنے اور بددلی اور رنجش کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا وہ آخر کس قدر وعزّت کے مستحق ہیں کہ اُن کے جذبات وخیالات کا لحاظ کیا جائے۔ایسے لوگ دراصل بندۂ حق نہیں بلکہ ''بندۂ نفس'' ہیں۔(رسائل ومسائل،ج۱/ص۲۳۴)

یہ حصہ بھی غور سے پڑھنے کے قابل ہے:

''دراصل جو باتیں میری اِس تقریر کو سُننے کے بعد اُس گروہ کے لوگوں نے کی ہیں اُن سے تو مجھے یہ یقین حاصل ہو گیا ہے کہ یہ لوگ فی الواقع دین کے کسی کام کے نہیں۔اُن کا ہمارے قریب آنا اُن کے دور رہنے بلکہ مخالفت کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے''۔(رسائل ومسائل)

وہ بندۂ نفس ہیں .... دین کے کسی کام کے نہیں .... اُن کا ہمارے قریب آنا دُور رہنے سے زیادہ خطرناک ہے .... وہ کسی قدر وعزّت کے مستحق نہیں .... یہ ''مہذب گالیاں'' مولانا نے صرف اتنی سی بات پر دی ہیں کہ اُن غریبوں نے مولانا کی تقریر کو صحیح

ودرست مانتے ہوئے بھی صرف لب ولہجہ کی سختی کا گلہ کیا تھا۔ اگر کہیں شامت سے غلط کو غلط بھی کہہ دیا ہوتا تو خُدا ہی جانتا ہے کہ ''نادرشاہی عدالت'' سے اُن کے حق میں کیا سزا تجویز ہوتی۔

غور فرمایئے! یہ ظرف اُس شخص کا ہے جو بڑوں بڑوں کے حرم میں نقب لگانا اپنے نیزۂ قلم کا پیدائشی حق سمجھتا ہے لیکن اپنے ''شہر پناہ'' کی ٹوٹی ہوئی دیوار پر ہلکی سی خراش بھی اُسے برداشت نہیں۔

داستانِ طلسم کُشا

جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے کہ مولانا مودودی عملاً اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں اور اپنے پیدا کردہ جبری ماحول میں وہ ہر شخص کو اپنا ذہنی غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں، اُس کی مزید وضاحت کے لئے ذیل میں ایک سنسنی خیز داستان پڑھیئے جس نے جماعت کی ساری بنیاد ہلا کر رکھ دی ہے۔ داستان کا آغاز یوں ہوتا ہے:

جماعتِ اسلامی پاکستان کے رکن وقیّم جماعت حلقۂ لاہور، اور ہفتہ وار اخبار ''شہاب لاہور'' کے مالک ومدیر جناب کوثر نیازی جو مولانا مودودی کے دیرینہ رفیق بھی رہ چکے ہیں انہوں نے ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو مولانا کے نام ایک طویل مراسلہ بھیجا تھا۔ مراسلہ لکھتے وقت اُن کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ اِسے منظر عام پر لانے کی نوبت آجائے گی۔ اِس لئے انہوں نے پوری آزادیِ فکر کے ساتھ جماعت کے اندرونی مفاسد کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا سے درخواست کی تھی کہ وہ اِن مسائل پر غور وفکر کے لئے ارکانِ جماعت کا اعلیٰ سطح پر ایک ہنگامی اجلاس طلب کریں۔

لیکن مولانا جو ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کے آگے اپنے آپ کو جواب دہ نہیں سمجھتے انہوں نے نہ صرف یہ کہ قیّم جماعت کی تجویز کو مسترد کر دیا بلکہ صرف اتنی سی بات پر انہیں ہدایت کی کہ وہ جماعت سے مستعفی ہو جائیں۔

چنانچہ مولانا مودودی کی ہدایت کے بموجب جناب کوثر نیازی نے ۱۹ فروری ۱۹۶۵ء کو اپنا تاریخی استعفانامہ مولانا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نیازی صاحب کا مراسلہ اور ان کا

استعفاء دونوں ہندوپاک کے موقر اخبارات ورسائل میں چھپ گئے ہیں۔

روزنامہ ''قومی آواز'' لکھنؤ مورخہ یکم مارچ ۱۹۶۵ء کے حوالہ سے پہلے نیازی صاحب کے مراسلے کے چند اہم اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔

واضح رہے کہ جماعت کے ساتھ پُرخلوص وابستگی کے زمانے میں انہوں نے یہ مراسلہ لکھا ہے اِس لئے اُن کی اِس تحریر کو ''جماعت دشمنی'' یا ''تخریبی سازش'' کا چلتا پھرتا الزام رکھ کر بے اثر نہیں کیا جاسکتا۔ اب ہر طرح کی عصبیت کی عینک اُتار کر ''گھر'' کے متعلق ''گھر کے بھیدی'' کا یہ سنسنی خیز بیان پڑھئے:

جماعتِ اسلامی کے متعلق ایک تاریخی مراسلے کے اقتباسات

۱۔ اِس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ دوسری بہت سی اُصولی غلطیوں کے علاوہ ہم نے عورت کی صدارت کے مسئلہ میں جو روش اختیار کی، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کی جو سزا ملے گی اُس کا مسئلہ تو الگ ہے، اِس دنیا میں بھی اندرون وبیرون ملک ہماری دینی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔

۲۔ ہم نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے اور حرمتوں کی ابدی اور غیر ابدی تقسیم کا جو نیا طریقہ پیش کیا ہے اُس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے دوسرے غیر جانبدار عناصر حتیٰ کہ اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم وتحریف کرنے والا گروہ تصوّر کرنے لگے ہیں۔

۳۔ آپ اجازت دیں تو تحریر کروں کہ حرمتوں میں ابدی اور غیر ابدی کی تقسیم مان لینے کے بعد ہمارا مؤقف منکرینِ حدیث کے گمراہ کُن نظریہ سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جماعتی پالیسی کی جبریّت کے تحت میں خود آپ کے اِس نئے نظریہ کا دفاع کرنے والوں میں شامل رہا ہوں مگر اِس کے باوجود اِس نظریہ کی صحت مجھ پر واضح نہ ہو سکی۔

۴۔ میری رائے یہ ہے کہ اب ہماری یہ محبوب جماعتِ اسلامی ایک عجیب وغریب صورتِ

حال سے دوچار ہے۔ہم نے اُمیدواری کو حرام قرار دیا۔اِس کے لئے صحابہ تک کی کسی جلیل القدر شخصیّت میں اُمیدواری کا کوئی پہلو ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے ''اپنی اجتہادی رائے'' کو نص کا درجہ دے کر اُس پر تنقید کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا مگر اب ہم اپوزیشن کے ساتھ مل کر اُمیدواروں سے خود درخواستیں طلب کر رہے ہیں۔

۵۔ ہم نے کہا صالح نمائندہ پنچایتی سسٹم سے آئے چاہے جس جماعت یا گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ پھر ہم نے صالح نمائندوں کو جماعت (اسلامی) کے دائرے میں مخصوص کر دیا۔

۶۔ پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے۔اب محاذ کے ساتھ شریک ہو کر ''غیر صالحین'' کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں۔

۷۔ ہم نوٹ پر قائدِ اعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے،صدارتی انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے اُن کی بہن کے تصویری واؤچر گلی گلی فروخت کئے۔

۸۔ پہلے ہم نے صدارتی سے بھی بڑھ کر امارتی تصوّرِ خلافت پیش کیا۔اب ہم پارلیمانی نظام جمہوریت کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔

۹۔ پہلے ہم اسمبلیوں میں اراکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے بعد میں ہم نے خود اس پر عمل کیا۔

۱۰۔ پہلے ہم مخلوط (مردوزن کے ملے جُلے) جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور اُن میں تقریریں کرتے ہیں۔

۱۱۔ پہلے ہم علماء کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ پارٹیوں کو ساتھ ملانا غلط سمجھتے تھے اب علماء کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے محاذ کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں۔

۱۲۔ پہلے ہم خواتین کو ووٹ کا حق دینے میں راضی نہ تھے۔اب اُن کی صدارت کے لئے کوشش کرتے ہیں۔

۱۳۔ پہلے ہم طلبا کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے روکتے تھے اب اُن سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی اپیلیں کرتے ہیں۔

۱۴۔ پہلے ہم جلسوں اور نعروں کو غیر اسلامی کہتے تھے اب غلافِ کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے رہنماؤں کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔

۱۵۔ پہلے ہم انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدمات لے جانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے اب اُن ہی عدالتوں کو ہم عدل وانصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں۔

۱۶۔ پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رُکن سمجھتے تھے اب اُن ہی کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں۔

۱۷۔ یقین مانئے! انتہائی دُکھ کے ساتھ میں نے جماعتی تاریخ کی طرف یہ اشارے کئے ہیں۔اِن مظاہروں کے بعد اپنے ارکان کے سوا کون ہمارے دینی فکر پر بھروسہ کرے گا۔

۱۸۔ جس جماعت کی یہ صورت حال ہو،جس کی قیادت اول سے آخر تک تنخواہ دار ہو،جس میں اظہارِ رائے پر قدغن ہو،جس میں مٹھی بھر لوگ ووٹ کا حق رکھتے ہوں،جس میں آپ کی پیش کردہ علمی اور دینی آراء سے اختلاف کرنا جماعت کی مخالفت کرنے کے مترادف ہو،اُس میں ایسا آدمی کیسے داخل ہوسکتا ہے جو خود سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو،ایسا شخص تفصیلات معلوم کئے بغیر شامل بھی ہو جائے تو وہ یہاں پنپ نہیں سکے گا۔

۱۹۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جماعت کی اخلاقی حالت (میں اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار نہیں دوں گا) انتہائی حد تک زوال پذیر ہو چکی ہے اور حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں تو میری مایوسی اور شدید ہو جاتی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں کئی مرتبہ آپ کو توجہ دلائی ہے اور مجھے یاد ہے ہر بار آپ دل گرفتہ ہو کر سر تھام کر بیٹھ جاتے تھے اور اعتراف کر لیتے تھے کہ یہ سب کچھ آپ کو معلوم ہے مگر آپ کچھ نہیں کر سکتے۔

۲۰۔ ۳۱،اکتوبر ۶۳ء کو میں نے تحریری طور پر عرض کیا تھا کہ احیائے دین کا کام کرنے کے لئے جو کم سے کم ضروری صفات ہم میں ہونی چاہئیں ہماری عملی زندگی اِن کی

شہادت نہیں دیتی، جماعت کے دروبست پر قابض بھاری بھاری مشاہرے لینے والے ہمارے بعض رہنما ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے، الزامات عائد کرنے اور چغلی اور غیبت کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ بعضوں کی بول چال تک آپس میں بند ہے۔

۲۱۔ اختلاف رائے کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ ہاں میں ہاں ملانے والے علمِ دین سے کورے اور عربی زبان سے بالکل نابلد افراد کو جماعت کی صفِ اول میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

۲۲۔ ہماری تنظیم میں یہ رُجحانات ہمارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ اور اِس وقت لوگ اگر ہمارے باہمی تعاون اور تعلقات کے مدّاح ہیں تو اِس کا سبب یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کی طرح ہمارے اندرونی حالات خوش قسمتی سے اخبارات میں شائع نہیں ہوتے۔

۲۳۔ جماعت میں باہمی عداوتیں ترقی پر ہیں۔ لین دین کے معاملات میں کارکن تو ایک طرف رہے ہمارے رہنما تک افسوسناک کردار رکھتے ہیں۔ امانتیں ضائع ہو رہی ہیں، عُشر اور زکوٰۃ کی رقوم خالص سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقتی کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جارہی ہیں۔ رائج الوقت سیاسی بحثیں اتنی مرغوب ہوچکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خُدا اور رسول کا تذکرہ بھی برائے بیت رہ گیا ہے۔ عبادات میں ہم سخت تساہلی کا شکار ہیں اور شاید یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے۔ جس میں عبادات کو (مقصود نہیں) مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔

۲۴۔ میرا خط طویل ہوگیا۔ اِس میں بعض تکلیف دہ باتیں بھی یقیناً ہوں گی اور آپ ہمیشہ مجھ پر جو شفقت فرماتے رہے ہیں۔ اِس کے پیشِ نظر اتنی جرأت بھی مجھ کو جسارت نظر آتی ہے لیکن خُدا گواہ ہے کہ میں نے یہ سب کچھ معاندانہ جذبے سے نہیں ایک حقیقی بہی خواہ اور ہمدرد کے جذبے سے سپردِ قلم کیا ہے۔ (قومی آواز لکھنؤ یکم مارچ ۱۹۶۵ء)

تبصرہ

نیازی صاحب کا یہ طویل مراسلہ اتنا واضح ہے کہ اِس کے اہم گوشوں پر نہ بھی روشنی

ڈالی جائے جب بھی جماعتِ اسلامی کی ''پُراسرار دعوت'' اور ''فکری مصنوعات کی سجی ہوئی دوکان'' کے پیچھے جو ''شرمناک حقائق'' ہیں وہ پورے طور پر بے نقاب ہوگئے ہیں۔ اِس آئینے میں جماعت کی تنظیمی، دینی، اخلاقی، سیاسی اور فکری حادثوں کی جو تصویر نظر آتی ہے اُسے دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ''جماعتِ اسلامی'' دینی جرائم کی تاریخ کا ایک خوبصورت ٹائٹل ہے۔

اِن سنسنی خیز انکشافات کے بعد کیا اب بھی جماعتِ اسلامی کے لوگ اقامتِ دین اور اسلام کے سیاسی اقتدار کے جھوٹے نعروں سے سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دیتے رہیں گے؟

اب ذیل میں مولانا مودودی کے نام کوثر نیازی صاحب کا وہ استعفانامہ پڑھئے جس نے بیچ چوراہے پر جماعتِ اسلامی کو ننگا کر دیا ہے۔ استعفانامہ کے یہ پیراگراف گہری توجہ کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہے:

۱۔ آپ کی طرف سے میرے خط مورخہ ۱۲، فروری ۶۵ء کا جواب موصول ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنے خط کے آخری حصے میں مَیں نے جس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ کہیں اُن دردمندانہ معروضات پر غور کرنے کے بجائے آپ غصّہ میں نہ آجائیں، وہی ہوا اور آپ نے مختصر جواب میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو غصّے کی حالت میں کہا جاسکتا ہے۔

۲۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جماعت کی پالیسی اور حالات کے متعلق ایک مدّت سے مَیں جس اضطراب میں مبتلا تھا اُس کے ہوتے ہوئے مجھے بہت عرصہ پہلے جماعت سے مستعفی ہوجانا چاہئے تھا۔ آپ کا یہ ارشاد بظاہر قابلِ التفات نظر آتا ہے لیکن اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے جذبات میں آنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو اِس طرح کا انداز ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ الخ۔

۳۔ میں نے جماعت کو حق کا علمبردار سمجھا تو اِس کی ایک ایک بات کی تبلیغ وتائید میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی اور جن لوگوں نے جماعت کی مخالفت کی اُن کے حملوں سے اُسے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تمام توانائیوں کو نچوڑ دیا۔ اب اگر میں اپنے سترہ سالہ

تجربات کی بناپر اِس آخری فیصلے پر پہنچ چکا ہوں کہ جماعت فکری و عملی دونوں پہلوؤں سے صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی ہے اور اِس فیصلہ کا اظہار میں اِس لئے لوگوں کے سامنے کروں کہ جن ہزاروں افراد کو میں نے جماعت سے متعارف کرایا کم ازکم اُن کے سامنے بری الذّمہ ہو جاؤں تو میرا یہ طرزِ عمل کیوں حقیقی بہی خواہی پر مبنی نہیں ہوگا۔

۴۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو آپ تجدید و احیائے دین کا کام کرنے کے لئے اولین ضرورت یہ محسوس کرتے ہیں کہ صدیوں پہلے فوت ہونے والے اُن نفوس قدسیہ پر شدید ترین تنقید کریں جو تقویٰ للّٰہیت، اخلاص اور دین کے لئے ایثار کرنے میں ضرب المثل ہوں اور پھر اُس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ مستقل تصانیف شائع فرمائیں لیکن اگر کوئی شخص دیانت داری سے مسلسل تجربات و شواہد کے بارے میں یہ رائے ظاہر کرے کہ آپ کا طرزِ عمل غلط، دین کے خلاف، یا مسلمانوں کے لئے گمراہ کُن ہے اور وہ اپنی اِس رائے کو باقاعدہ دلائل کے ساتھ پیش کرے تو آپ اُس شخص کے بارے میں یہ فتویٰ صادر کریں کہ یہ اخلاص اور للّٰہیت سے محروم ہو چکا ہے اور بعض دوسرے مُحرکات کے تحت یہ کام کر رہا ہے۔

۵۔ ۱۹۴۱ء سے لے کر اب تک جس کسی شخص نے جماعت سے اختلاف یا علیٰحدگی اختیار کی آپ نے ہمیشہ اُس کے بارے میں اُن ہی دوسرے مُحرکات کا ذکر فرمایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اِس اختلاف میں مخلص نہ تھا۔ تو مجھ ایسا سراپا معصیّت آپ کی اِس نوازش پر شکوہ سنج کیوں ہو۔ البتہ یہ بات انتہائی تعجب کا باعث ہے کہ کل تک جو شخص خود آپ کے نزدیک پورے حلقے کے قیم سے لے کر امیر تک کے لئے انتہائی موزوں آدمی تھا اِس فیصلے کے بعد آپ اُس کے دوسرے ’’مُحرکات‘‘ متعین فرمانے لگے ہیں۔

۶۔ آپ کے اس خط کے بعد اب میں جماعت میں شریک رہنے کا کوئی جواز نہیں پاتا۔ لٰہذا میں جماعتِ اسلامی کی رُکنیت سے مستعفی ہوتا ہوں اور اپنے رؤف و رحیم رب

سے انتہائی شرمساری اور عاجزی کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ جماعت کے جبری نظام کے تحت میں نے جماعت کی جن غلط باتوں کی تائید کی ہے اور بالخصوص جن بعض دینی حقائق کو جماعت کے غلط فیصلوں کی وجہ سے غلط تاویلات کی صورت میں پیش کرنے کا مُرتکب ہوا ہوں اللہ تعالیٰ اُنہیں معاف فرمائے اور مجھے اُس کی تلافی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (روزنامہ قومی آواز لکھنؤ ۴ مارچ ۱۹۶۵ء)

تبصرہ

یہ صورتِ حال قابلِ صد مبارکباد ہے کہ سترہ سال تک ذہنی الحاد اور جماعتی فریب کی تاریکیوں میں اسیر رہنے کے بعد نیازی صاحب کو سلامتی کے ٹھنڈے اُجالوں کی طرف واپس آنے کی توفیق میسر آئی۔

جماعتِ اسلامی کی جن ہلاکت خیز گمراہیوں کے اعتراف کے لئے آج اچانک اُن کے دل کا بند دروازہ کھل گیا ہے اب کُھلے عام اُنہیں محسوس کرنے کے لئے سوائے اُس ایک پردے کے جسے ’’جماعتی عصبیّت‘‘ کہتے ہیں اور کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو کوثر نیازی صاحب کے اِس قابلِ رشک اقدام نے جماعتِ اسلامی کے بناوٹی ماحول سے حقائق کی طرف پلٹنے کے لئے ہر ذہن میں تلاشِ حق کی ایک نئ تحریک پیدا کر دی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ مستقبل قریب میں پھر کوئی ’’کوثر نیازی‘‘ پیدا ہو اور اِس ’’طلسم فریب‘‘ کے کچھ نئے اسرار اور منظرِ عام پر آئیں۔

واضح رہے کہ جماعتِ اسلامی ہند ہو یا پاک جماعتی نصب العین اور لٹریچر کے اشتراک کے ساتھ فکری طور پر مولانا مودودی کا دماغ دونوں ہی کا مرکزِ قیادت ہے۔ اِس لئے نظام ترکیبی کے جُزوی فرق سے جماعتی مزاج پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

جماعتِ اسلامی کا نیا صنم خانہ

جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ مولانا مودودی اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں

اور اپنے پیدا کردہ جبری ماحول میں وہ ہر شخص کو اپنا ذہنی غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں اِس کی تازہ مثال نیازی صاحب کے مراسلہ اور استعفا نامہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کے لوگ اسلام کی ساری مستند ہستیوں سے کٹ کر صرف مولانا مودودی کی ذہنی غلامی پر کس درجہ یقین رکھتے ہیں اور اُن کی عظمت پر ایک ہلکا سا نشتر بھی اُن کے تئیں کتنا ناقابلِ برداشت ہوجاتا ہے۔ یہ بحث اِس لئے چھیڑ رہا ہوں تاکہ دوسروں کی عظمت کو اپنے قلم کا نشانہ بنانے والے یہ محسوس کرسکیں کہ جذبۂ عقیدت کی ٹھیس کتنی دردناک ہوتی ہے؟

اِس کی ایک واضح مثال ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

''ماہنامہ تجلی دیوبند'' کے ایڈیٹر مولانا عامر عثمانی جو جماعتِ اسلامی کے شعلہ مزاج حامیوں میں ہیں اور جن کا آبرو ریز قلم ہمیشہ بڑے بڑوں کے ناموس سے کھیلتا رہتا ہے۔ انہیں کسی نے لکھا کہ آپ نے اپنے ایک مضمون میں مولانا مودودی پر چوٹ کی ہے۔

بس اتنی سی بات پر عامر صاحب اپنے ذہن کا سارا توازن کھو بیٹھے۔ اور شریعت و عقل کی ساری حدوں کو پھلانگ کر مولانا مودودی کے ساتھ اپنے جذبۂ عقیدت کا یوں اظہار کیا:

''وہ شخص مولانا مودودی پر کیا چوٹ کرے گا جس نے مولانا موصوف کی خداداد عظمت وعبقریت کے آستانے پر دن کی روشنی میں ''سجودِ نیاز'' لٹائے ہوں''۔ (تجلی فروری ۱۹۶۳ء ص ۵۴)

معاذ اللہ! عقیدت کا خُمار بھی کتنا ایمان شکن ہوتا ہے۔ یہی مولانا عامر ہیں جنہیں ایمان کے سائے میں بھی شرک کے صنم خانے نظر آتے ہیں اور جن کے عقیدے میں اللہ والوں کی چوکھٹ پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتے ہی سو برس کا ایمان غارت ہوجاتا ہے۔

لیکن قیامت ہے کہ وہی، مولانا مودودی کے آستانۂ عظمت پر دن کی روشنی میں سجدۂ نیاز لٹا رہے ہیں اور اُن کے عقیدۂ توحید کو ذرا ٹھیس بھی نہیں لگتی۔

یالَلعجب! کہ جو اولیاء اللہ کے آستانے پر ''نیاز بے سجدہ'' کو شرک جلی سمجھتا ہے وہ

اپنے ممدوح کے سنگِ آستاں پر سجدۂ نیاز لٹاتے ہوئے ایمان کا فخر محسوس کررہا ہے۔

اِسی کے ساتھ یہ واقعہ بھی نظر میں رکھئے تو ذہن کا استعجاب اور دوچند ہوجائے گا۔ کسی نے اخبار مدینہ بجنور کے حوالہ سے قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک تقریر کا یہ حصہ نقل کرتے ہوئے مولانا عامر سے اُن کی رائے طلب کی۔ تقریر کے الفاظ یہ ہیں:

''ہم دیوبندیوں اور دوسرے علماء میں اختلاف خیال کو جس کا جی چاہے اور جہاں تک چاہے پھیلادے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم احترام اولیاء اور مزارات کے سلسلہ میں سب کچھ وہی کرتے ہیں جو دوسرے کرتے ہیں سوائے سجدہ کے'' (مدینہ بجنور ۵/ ۹ جنوری ۵۸ء، بحوالہ تجلی دیوبند، نومبر ۱۹۵۸ء)

اِسے پڑھ کر عامر صاحب تلملا گئے اور جذبات میں بے قابو ہوکر یوں لکھ مارا:

''خُدا اُس دن دیوبند کو دریا میں غرق کردے جس دن اُس کے اہلِ علم احترام اولیاء اور مزارات کے سلسلہ میں سب کچھ وہی کرنے لگیں جو دوسرے کرتے ہیں سوائے سجدے کے'' (تجلی نومبر ۱۹۵۸ء)

دیوبند اب تک غرق ہوا یا نہیں؟ اُسے غرق کرانے والے جانیں۔ لیکن مولانا عامر کو تو ضرور کہیں غرق ہوجانا چاہئے کہ قاری طیب صاحب نے سب کچھ نثار کرنے کے بعد کم از کم سجدہ تو خُدا کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا لیکن انہوں نے تو اُسے بھی مولانا مودودی کی بھینٹ چڑھادی۔

اِسی کے ذیل میں تصویر کا ایک رُخ اور ملاحظہ فرمائیے، دل کا کھوٹ پوری طرح بے نقاب ہوجائے گا۔

دہلی میں بیٹھ کر ایک گستاخی بھرپور جذبۂ شقاوت کے ساتھ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت پر نشتر چلاتا ہے۔ اتنا تیز نشتر کہ خود مولانا عامر بھی لرز اُٹھتے ہیں اور اِن الفاظ میں قاتل کی بے مہری کا گلہ کرتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ''تقویۃ الایمان میں

فصل فی الاجتناب عن الاشراک'' کے ذیل میں لکھا ہے: ''ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے'' کیا اِس کا صاف اور بدیہی مطلب یہ نہیں کہ اولیاء وصحابہ تو ایک طرف رہے تمام انبیاء ورسل اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی شان کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔ کیسا خطرناک اندازِ بیان ہے! کتنے لرزا دینے والے الفاظ ہیں! (تجلی فروری ومارچ ۱۹۵۷ء)

اِسی ''تقویۃ الایمان'' پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عامر دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اگر شاہ صاحب (مولوی اسماعیل دہلوی) کے تمام فرمودات پر بے لاگ عمل جراحی کیا جائے تو ضرور اُن میں قابل نظر اجزاء نکلیں گے ہوسکتا ہے اور شاید ہوا بھی ہے کہ حمایتِ حق کے جذبہ وجوش میں وہ کہیں کہیں نقطۂ اعتدال سے آگے نکل گئے ہیں'' (تجلی جون ۱۹۵۹ء)

لیکن اب اپنا سر پیٹیئے کہ شانِ رسالت میں ''تقویۃ الایمان'' کا یہی ''خطرناک اندازِ بیان'' یہی ''لرزا دینے والے الفاظ'' یہی قابلِ نظر اجزا، یہی نقطۂ اعتدال سے تجاوز مولانا عامر کو اتنے محبوب وپسندیدہ ہیں کہ وہ فرطِ مسرت میں جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔

تنقیص شانِ رسالت پر جذبات کی ترنگ کی کیفیت خود انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''جہاں جہاں اُن (مولوی اسماعیل دہلوی) کا قلم ضبط واحتیاط کی حدیں توڑ کر جوش وخروش کی وادی میں قدم رکھتا ہے وہیں ہمارا دل چاہتا کہ اُسے چوم لیں۔ کہنے دیجئے کہ اُن کی بعض اضطراری لغزشیں ہی اُن کی رفعت وعظمت کا اِعلامیہ ہیں''۔ (تجلی جون ۱۹۵۹ء)

کیا سمجھے آپ؟ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جہاں جہاں مولوی اسماعیل دہلوی کا قلم بدمست شرابی کی طرح بے لگام ہوجاتا ہے، جہاں جہاں شانِ رسالت میں ''خطرناک اندازِ بیان''

اختیار کرلیتا ہے، جہاں جہاں اللہ والوں کی جناب میں ''لرزا دینے والے الفاظ'' استعمال کرتا ہے اور جہاں جہاں احتیاط وادب کی حدیں توڑ کر توہین وتنقیص کی وادی میں قدم رکھتا ہے وہیں وہیں ہمارا دل چاہتا ہے کہ اُسے چوم لیں، آنکھوں سے لگالیں، دل میں اُتارلیں۔

مرقدِ رسول کی جالی اور مزارِ مبارک کا غلاف چُومنا تو عامر صاحب کے یہاں فعل شرک ہے لیکن ایک گُستاخ ودُشنام طراز قلم کا بوسہ وہ ایمان کی سعادت سمجھتے ہیں۔

اور بات اتنے ہی پر بس نہیں کرتے ایک قدم اور آگے بڑھ کر ارشاد فرماتے ہیں کہ رسولوں کی جناب میں مولوی اسماعیل دہلوی کی یہ اضطراری گُستاخیاں ہی دراصل اُن کی رِفعت وعظمت کی واضح علامات ہیں۔

لَآاِلٰهَ اِلَّااللهُ! ایمان کی غیرت کو آواز دو وہ کہاں مرگئی؟ اگر اِسی کا نام جذبۂ توحید ہے کہ رسولوں کی تنقیص ودُشنام کو رِفعت وعظمت کا نشان ٹھہرالیا جائے تو خُدا کی لعنت ہو ایسے جذبے پر!

کوئی تصوّر نہیں کرسکتا کہ اپنے نبی کی طرف سے کسی کا دل اتنا بھی سیاہ ہوسکتا ہے۔ اب نہیں کہا جاسکتا کہ مولانا عامر اور اُن کے رفقائے جماعت رِفعت وعظمت کے کس آسمان پر ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

معاذ اللہ! دل کا عالم بھی کتنا عجیب ہے؟ یہ ظالم جسے اپنا بنالیتا ہے اُس کے خلاف ایک ہلکی سی چوٹ بھی اُس کے لئے قیامت بن جاتی ہے اور جس سے بیگانہ ہوجاتا ہے اُس کی آبرو کا خون بھی ہوجائے تو کمبخت آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

اتفاق سے دونوں طرح کی مثالیں یہاں موجود ہیں۔ ایک ہی دل اپنے ممدوح کے شائبۂ تنقیص پر تڑپ اُٹھا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہینِ صریح پر شاد شاد نظر آتا ہے۔ کیا رسول کی وفادار اُمّت اس ہیجان انگیز صورت حال کو آسانی سے برداشت کرسکے گی؟

جماعتِ اسلامی کا دستور اور نیا دائرہ اسلام

بات بہت دُور نکل گئی، میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ مودودی لٹریچر کے جو اقتباسات پچھلے اوراق میں سپردِ قلم کئے گئے ہیں انہیں غور سے پڑھیۓ اور فیصلہ کیجئے کہ اُس کے پس منظر میں جس طرح کا مخدوش ذہن ڈھالا جارہا ہے کیا اُس میں اسلاف کی پیروی اور حسنِ اعتماد کے لئے کوئی بھی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور پھر کیا یہ دعویٰ اب بھی محتاجِ ثبوت ہے کہ غیر شعوری طور پر ذہنوں کو ائمۂ سلف کی غلامی سے آزاد کر کے ائمۂ جماعت کی غلامی کے لئے تیار کیا جارہا ہے؟

یہ محض الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ جماعت کا لٹریچر پڑھنے کے بعد ہر اجنبی ذہن کو اِسی طرح کی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

مثال کے طور پر اِس میکدہ کے ایک نئے بادہ خوار کا حال پیش کرنا چاہتا ہوں جو ظرف کی کمزوری سے اپنے ذہنی ارادت کو چُھپا نہیں سکا اور رازِ اندرونِ خانہ میکدے کے باہر آ گیا۔ حوالہ کیلئے جماعتِ اسلامی ہند کے ترجمان ماہنامہ ''زندگی'' رامپور، میں ایک شخص کے مکتوب کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ اپنے خیالات کی تبدیلی کا نقشہ وہ اِن الفاظ میں کھینچتا ہے:

> ''لٹریچر دیکھنے سے مجھ میں یہ انقلاب رونما ہوا ہے کہ اب میں صحابہ کے بعد سے آج تک سوائے مودودی صاحب کے کسی شخص کو کامل الایمان نہیں سمجھتا''۔ (زندگی اکتوبر ۱۹۴۹ء بحوالہ دیوبندی نشریات)

آگے چند سطروں کے بعد ذہن کی بحرانی کیفیت ملاحظہ ہو:

> ''میں خواجہ معین الدین چشتی کے مسلک کو غلط تصوّر کرتا ہوں، بڑے بڑے مشاہیرِ اُمّت کا کامل الایمان ہونا میری نظر میں مشتبہ ہو گیا ہے''۔
>
> (زندگی اکتوبر ۴۹ء، بحوالۂ دیوبندی نشریات)

ساری اُمّت سے بدگمان ہو کر صرف مولانا مودودی کی ذہنی غلامی پر زندہ رہنے کا انداز ملاحظہ ہو۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ذہن صرف مراسلہ نگار کا نہیں ہے بلکہ اِس تربیت گاہ میں ہر ذہن کی آخری حالت یہی ہے۔

پھر اور سُن لیجئے کہ ''کسی شخص کو کامل الایمان نہیں سمجھتا'' یہ مراسلہ نگار کا اپنا ذہن نہیں ہے بلکہ جماعتِ اسلامی کا دستور ہی اِس طرح کا ذہن ڈھالتا ہے۔

چنانچہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جماعت سے باہر جو مسلمان ہیں جماعت کا دستور انہیں صحیح الاسلام نہیں سمجھتا اور اُس وقت تک انہیں ''جماعتِ اسلامی'' میں داخلہ کا پروانہ نہیں دیتا جب تک کہ وہ جماعت کا تشریحی اسلام نہ قبول کر لیں۔

ثبوت میں جماعتِ اسلامی کے ایک دستور کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

> ''اِس جماعت میں کوئی شخص محض اِس مفروضہ پر شامل نہیں کر لیا جائے گا کہ جب وہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور اُس کا نام مسلمانوں کا سا ہے تو ضرور مسلمان ہوگا۔ اِسی طرح کوئی شخص کلمۂ طیبہ کے الفاظ کو بے سمجھے بوجھے محض زبان سے ادا کر کے بھی اِس جماعت میں نہیں آ سکتا''۔ (دستور جماعت اسلامی، ص ۲۶)

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اعتراض کا منشا یہ نہیں ہے کہ جماعتِ اسلامی کے دائرہ تنظیم میں داخلہ کے لئے کوئی شرط کیوں رکھی گئی ہے۔ دراصل اعتراض اس بات پر ہے کہ جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا جس کا نام مسلمانوں کا سا ہے اور جو کلمہ گو ہے تاوقتیکہ اُس کے کفر و انکار پر یقینی اطلاع نہ ہو جائے اُسے مسلمان نہ سمجھنے کی معقول وجہ کیا ہے؟

مسلمان کے گھر میں پیدا ہونا، مسلمانوں کا سا نام رکھنا، اسلام کا کلمہ پڑھنا، اگر یہ ظاہری علامتیں کسی کو مسلمان سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہیں تو آپ ہی بتایئے کہ وہ کون سا آلہ ہے جس کے ذریعہ دل کو شق کر کے کسی کا اسلام اول نظر میں معلوم کر لیا جائے۔

یہ تو آپ کر سکتے ہیں کہ کسی مسلمان کو مسلمان سمجھتے ہوئے بھی اپنے جماعتی نظم وضبط کا متحمل نہ پا کر اُسے جماعت میں داخل کرنے سے انکار کر دیں لیکن یہ چیز آپ کے حدودِ اختیار سے قطعاً باہر ہے کہ کسی مسلمان کو آپ مسلمان سمجھنے سے انکار کریں۔

آپ اپنی جماعت کے داخلہ و خارجہ کا دستور بنا سکتے ہیں۔ اسلام کے داخلہ و خارجہ کا دستور بنانے کا آپ کو کیا حق ہے؟

پس اِس بنیاد پر یہ سوچنا قطعاً غلط نہ ہوگا کہ جماعتِ اسلامی کسی اجتماعی تحریک کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ''نئے دین'' کا نام ہے جس میں باہر کا مسلمان بغیر اُس کی شرطوں پر ایمان لائے مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

مولانا مودودی کے ہاتھ میں تکفیر کی نئی تلوار

اور پھر جس طرح داخلہ کے لئے اور مسلمان سمجھنے کے لئے جماعت اسلامی کے اپنے وضع کردہ شرائط ہیں۔ اِسی طرح اخراج کے لئے اور کافر مرتد قرار دینے کے لئے بھی اِس جماعت کے اپنے ضوابط ہیں۔

چنانچہ جماعت کے بانی مولانا مودودی ایک جگہ اِس کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

''جو لوگ تعلیم و تربیت اور اجتماعی ماحول کی تاثیرات کے باوجود ناکارہ نکلیں تکفیر کے ذریعہ (کفر کا فتویٰ صادر کرکے) اُن کو جماعت سے خارج کردیا جائے اور اِس طرح جماعت کو غیر مناسب عناصر سے پاک کیا جاتا رہے''۔ (سیاسی کش مکش، ج۳/ص۲۱)

جماعتِ اسلامی اگر کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ اسلام ہی اُس کی تمام تر فکری اور عملی سرگرمیوں کا مرکز ہے تو میں جماعت کے تمام ذمہ دار افراد سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں اِس کی سند کہاں موجود ہے کہ جو مسلمان تعلیم و تربیت کے باوجود ناکارہ نکل جائیں اُن پر کفر کا فتویٰ صادر کرکے انہیں اسلام سے خارج کردیا جائے۔

جماعتِ اسلامی کے افکار و نظریات کا اصلی ماخذ چونکہ مولانا مودودی کا خود اپنا ذہن ہے اِس لئے اپنے اِس نظریہ کی تائید میں قرآن وحدیث سے کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے موصوف نے زمانۂ حال کی اُن تحریکوں کو سند میں پیش کیا ہے جو کفر و الحاد کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں اور جن کا ذہن کسی الٰہی قانون کی بالادستی کے تصور سے قطعاً ناآشنا ہے۔ چنانچہ حاشیہ میں مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''موجودہ زمانہ کی تحریکوں میں اِسی چیز کو (PURG) سے تعبیر کیا جاتا ہے

اور تمام جماعتیں نامناسب آدمیوں کو اپنے دائرہ سے خارج کرتی رہتی ہیں''۔ (سیاسی کش مکش، ج۳/ص۲۱)

ضرور خارج کرتی رہتی ہیں لیکن یہاں سوال کسی جماعت کے دائرۂ تنظیم سے خارج کرنے کا نہیں، دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کا ہے۔

آپ کو خارج کرنا ہے تو آپ بھی اپنی جماعت کے دائرہ سے خارج کردیجئے لیکن دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا؟ اِس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی مسلمانوں کا کوئی ذیلی دائرۂ تنظیم نہیں بلکہ ایک متوازی دائرۂ اسلام ہے۔ جو جماعتِ اسلامی کے دائرہ میں داخل وہی دائرۂ اسلام میں داخل اور جو جماعتِ اسلامی کے دائرہ سے خارج وہ دائرۂ اسلام سے خارج، گویا جماعتِ اسلامی کے دستور کی کتاب آسمان سے اُتری ہوئی کوئی الہامی کتاب ہے جس کے ذریعہ کفر و اسلام کی نئی حد بندی کی گئی ہے اور پُرانی حدوں کو منسوخ کردیا گیا ہے۔

پھر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صرف ناکارہ نکل جانا کسی مسلمان کو کافر کہنے کی وجہ آپ کے نئے دین میں ہو تو ہو اسلام میں ہرگز نہیں ہے۔ یہ عقیدہ اِس بات کو مستلزم ہے کہ دائرۂ اسلام میں جتنے فُسّاق و فُجّار اور بےعمل لوگ ہیں وہ جماعتِ اسلامی کے نزدیک قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ انہیں تکفیر کے ذریعہ (کفر کا فتویٰ صادر کرکے) دائرۂ اسلام سے خارج کردینا چاہئے کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی بےعملی کے باعث ناکارہ ہیں اور ناکارہ ہونا ہی جماعتِ اسلامی کے نزدیک موجب کفر و ارتداد ہے۔

اِس مقام پر جماعتِ اسلامی کا کوئی وکیل کہہ سکتا ہے کہ اُن کی تعلیم و تربیت ہی کہاں ہوئی ہے اور اُن کے مزاج پر دینی ماحول نے اپنا اثر ہی کہاں ڈالا ہے کہ ناکارہ نکل جانے پر انہیں تکفیر کی سزا دی جائے۔ میں عرض کروں گا آج کی بات چھوڑ دیئے پوری تاریخ اسلام میں سے کوئی ایسا دَور چھانٹ لایئے جس پر مولانا مودودی کا مفروضہ ماحول منطبق ہوسکے اور اُس دَور کی کوئی مستند شہادت پیش کیجئے کہ کسی مسلمان کو صرف ناکارہ نکل جانے کی وجہ سے کافر

سمجھا گیا ہو اور تکفیر کے ذریعے اسے دائرۂ اسلام سے خارج کردیا گیا ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تکفیر کی سزا اسلام میں نہیں ہے۔ اعتراض کا منشاء دراصل یہ ہے کہ تکفیر کو کسی تنظیمی جماعت سے اخراج کی نوٹس کی جگہ استعمال کرنا صرف مولانا مودودی کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے، اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

اِس مسئلہ میں اسلام کا مؤقف تو یہ ہے کہ پہلے کوئی خود کُفر کا ارتکاب کرکے اسلام سے اپنا رشتہ منقطع کرتا ہے اُس کے بعد تکفیر کے ذریعہ اُس کے اِخراج کا اعلان کردیا جاتا ہے تا کہ مسلم معاشرہ میں مسلمانوں جیسا سلوک اُس کے ساتھ روا نہ رکھا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ کسی تنظیمی جماعت کو محض غیر مناسب عناصر سے پاک کرنے کے لئے تکفیر کو ذریعہ اِخراج کے طور پر استعمال کیا جائے گو اُن سے کفر کا ارتکاب نہ ہوا ہو۔

اسلاف کے مذہبی اعتماد کو مجروح کرنے کی ناپاک سازش

میں اُوپر کہہ چکا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کے حلقۂ اثر میں صحابۂ کرام سے لے کر آج تک، ملّتِ اسلامیہ کی تمام مقتدر ہستیوں کے خلاف بتدریج ایک جارحانہ ذہنیت کی بنیاد مستحکم ہوتی جارہی ہے اور فکر کا رشتہ حاملانِ اسلام کے اس مقدس گروہ سے ٹوٹتا جارہا ہے جس سے مربوط ہوئے بغیر اسلام کو صحیح طور پر سمجھنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے۔

اور سُن لیا جائے کہ گریز وانحراف کی یہ صورت حال کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں بلکہ جماعتِ اسلامی جس فکری ماحول میں ذہن ودماغ کی تربیت کرتی ہے اُس کا پورا ڈھانچہ ہی اِس طرح کے زہرآلود عناصر سے تیار کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو جماعتِ اسلامی کے دستور کی ایک سنگین دفعہ!

’’رسول خُدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو‘‘۔ (دستور جماعتِ اسلامی، ص۱۱)

واضح رہے کہ ’’رسولِ خُدا کے سوا‘‘ میں خلفائے راشدین، عام صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، جماعت مُحدّثین، طبقۂ مُجدّدین، اولیاء، عرفاء، علماء، صلحاء سبھی داخل ہیں۔

ہوسکتا ہے الفاظ کی ساحری کے بل پر اِس عبارت کی کوئی خوشنما تاویل کرلی جائے، لیکن سوال تاویل کی صحت وغلط کا نہیں، عبارت کی اِس خطرناک اسپرٹ کا ہے جو ہر عامی ذہن کو غلط رُخ پر لگا دینے کے لئے کافی ہے اور جس کے زیرِ اثر گمراہ کن نخوت کا آزار ہر اجنبی دماغ میں پوری شدت کے ساتھ اُبھر سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ’’رسولِ خُدا کے سوا‘‘ کوئی انسان معصوم نہیں ہے لیکن اِس کا سہارا لے کر سب کو تنقید کے نشانے پر رکھنا، سب کے پیچھے نکتہ چیں ذہن کا پہرہ لگا دینا اور اِس عقیدہ کو جماعت میں داخلہ کی شرط بنالینا دین میں ایک ایسی خطرناک تحریف ہے جس کی ہلاکتوں سے بچنا بہت مشکل ہے۔

کسی کا معصوم نہ ہونا اور سب کی نگاہوں میں مشتبہ رہنا دونوں باتیں قطعاً ایک نہیں ہیں۔ بہ تقاضائے بشریت کسی غیر نبی سے معصیّت وخطا کے ارتکاب کا محض ممکن ہونا ہرگز کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ لیکن اُس پر نکتہ چینی کے لئے ذہن کی حِس کو بیدار کردینا، عیب جوئی اور بدگمانی کی طرف صریح پیش قدمی ہے۔ اُمّت کے جن بزرگوں نے دین کی تشریحات کی ہیں، جب تک اُن کی اِصابتِ رائے پر یقین نہ ہو (جسے جماعت اسلامی ذہنی غلامی سے تعبیر کرتی ہے) اُس وقت تک اُن تشریحات کو دین سمجھ کر قبول کرنا قطعاً ناممکن ہے۔

ظاہر ہے کہ تحت الشعور میں تنقید ونکتہ چینی کے لئے ذہن کی حِس بیدار کردینے کے بعد کسی شخصیت پر اعتماد کا برقرار رکھنا آسان کام نہیں ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ مشکوک ذہن لے کر دین پر چلنے کا تصور ہی ناممکن ہے۔

پھر اِس بحث کا سب سے اہم گوشہ یہ ہے کہ بالفرض غیر معصوم شخصیتوں پر تنقید کا حق تسلیم بھی کرلیا جائے جب بھی کم ازکم اس کے لئے طبقاتی سطح پر اہلیتوں کا تعلق نہایت ضروری ہے۔ مثلاً کوئی صحابی کسی صحابی پر تنقید کرے، کوئی تابعی کسی تابعی پر تنقید کرے، کوئی امام کسی امام مجتہد پر تنقید کرے، کوئی فقیہ کسی فقیہ پر تنقید کرے، کوئی عالم کسی عالم پر تنقید کرے تو اُسے اپنے حق کا جائز استعمال کہا جائے گا۔

لیکن یہ صورتِ حال کتنی اِہانت آمیز اور ہلاکت خیز ہے کہ جماعتِ اسلامی کے ہر ممبر کو صحابۂ کرام سے لے کر آج تک کے سارے اکابرِ اسلام پر تنقید و نکتہ چینی کا کھلا پروانہ دے دیا جائے اور اُسے عام اجازت ہی نہیں بلکہ جماعتی سطح پر ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے محدود ذہن کی ناقص معلومات کے ساتھ بڑوں بڑوں کے ناموس سے کھیلتا رہے۔

عوام کے دماغوں میں اِس طرح کا مہلک زہر پیدا کر کے میں نہیں سمجھتا کہ جماعتِ اسلامی دین کی کوئی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ اِس کا مفاد سوا اِس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ایمان آشنا ذہنوں کو غیر شعوری طور پر الحاد کی منزل کی طرف جبراً دھکیلا جا رہا ہے۔

عوامی ذہن کو اکابرینِ اسلام پر جری بنانے کے لئے دستور کی یہی دفعہ کیا کم تھی کہ اب مولانا مودودی ہر ذہن کے تحت الشعور میں بغاوت کا بیج بونے کے لئے زمین یوں ہموار کر رہے ہیں۔ بلکہ اِسے انہوں نے اپنے عظیم مقاصد کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔ زودِ بیان ملاحظہ ہو:

''اگر کسی شخص کے احترام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُس پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے تو ہم اِس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بُت پرستی سمجھتے ہیں اور اُس بت پرستی کو مٹانا منجملہ اُن مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جسے جماعتِ اسلامی اپنے پیشِ نظر رکھتی ہے''۔ (ترجمان بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲/ص ۳۴۶)

مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ بت پرستی کو مٹانا ہے بلکہ دلوں کے صنم خانے سے ان معظم ہستیوں کو بھی نکال باہر کرنا ہے جنہیں مولانا مودودی بتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور پھر اتنے ہی پر نہیں بس کرنا ہے بلکہ ہر دل میں ایک نیا بُت خانہ بھی تعمیر کرنا ہے جہاں پرانے بتوں کی خالی جگہوں پر امارت و لیڈر شپ کے نئے نئے بت بھی نصب کرنے ہیں۔

اپنے بیان کے مطابق جماعتِ اسلامی بھی اگر یہی کچھ کرنا چاہتی ہے تو آج دنیا میں اِس مقصد کے لئے کُفر و الحاد کی لاکھوں تربیت گاہیں کیا کم ہیں کہ ایک نئی تربیت گاہ کا اضافہ کیا جائے۔

عجیب تماشا ہے کہ ایک طرف جماعتِ اسلامی اپنے لٹریچر کے ذریعہ اِس طرح کے مُہلک جراثیم پھیلا کر ذہن و فکر کی صحت مند فضا کو مسموم بھی کرتی ہے اور دوسری طرف خیالات کی ہلاکتوں میں جب لوگ مبتلا ہونے لگتے ہیں تو اچانک غم گسار مصلح بن کر ماتم بھی کرتی ہے۔ خود ہی فتنۂ اِلحاد کا دروازہ کھولنا اور خود ہی اسے بند کرنے کے لئے تحریک چلانا جماعتِ اسلامی کا اتنا بڑا تجارتی فن ہے جسے سمجھنے کے لئے گہرائی میں اُترنے کی ضرورت ہے۔

کہنے دیجئے کہ اِسی طرزِ فکر کی بدولت آج مسلم معاشرہ میں الحاد و کفر کی نئی نئی تحریکیں سر اُٹھا رہی ہیں اور خیالات کی آزادی کا سیلاب نہایت تیزی کے ساتھ اسلام کی فصیلوں کی طرف بڑھتا آ رہا ہے۔

چنانچہ ابھی چند سال ہوئے خدمتِ قرآن کے نام پر ایک نئے فرقے نے جنم لیا ہے جس کا نام ''اہلِ قرآن'' یا ''منکرینِ حدیث'' ہے اسلام کا ہمدرد بن کر اس فرقے نے اسلام پر جو قیامت ڈھائی ہے چودہ سو سال کی لمبی مدت میں کہیں اُس کی مثال نہیں ملتی۔

مولانا مودودی نے ''ترجمان القرآن'' کے منصبِ رسالت نمبر میں اِس فرقے کی خاص خاص تِکنک شمار کرائی ہیں، جن کے ذریعہ وہ اپنے ملحدانہ خیالات کے لئے ذہنوں کو ہموار کرتے ہیں۔

مولانا کے قلم سے اہلِ قرآن کے بنیادی مفاسد کی یہ نشان وہی پڑھنے کے قابل ہے۔ پانچویں تِکنک شمار کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اُمّت کے تمام فقہاء، مُحدّثین، مُفسّرین، اور ائمۂ لغت کو ساقط الاعتبار قرار دینا، تا کہ مسلمان قرآنِ مجید کو سمجھنے کے لئے اُن کی طرف رُجوع نہ کریں''۔ (ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ص ۱۵)

اللہ اکبر! کتنے معصومانہ انداز میں خونِ ناحق کا الزام غیر کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ مولانا سے عرض کروں گا، آنکھوں میں دھول جھونکنے کے بجائے ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھئے! کہیں یہ آپ ہی کی تکنک نہ ہو جسے اہلِ قرآن نے آپ سے مستعار لے لیا ہو۔

آخر یہ سطریں آپ ہی کے قلم سے تو نکلی ہیں ذرا انہیں بغور ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ رسولِ خُدا کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔

۳۔ اگر کسی شخص کے احترام کے لئے ضروری ہے کہ کسی پہلو سے اُس پر تنقید نہ کی جائے تو ہم اُس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بُت پرستی سمجھتے ہیں۔

آپ ہی انصاف سے کہئے کہ اِن تینوں عبارتوں کا مفاد سوا اِس کے اور کیا ہے کہ اُمت کے تمام فقہاء، مُحدِّثین، مُفسِّرین اور ائمۂ لغت کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے تا کہ مسلمان دین کو سمجھنے کے لئے اُن کی طرف رجوع نہ کریں۔

عمائدین اسلام کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے تنقید وجراحی کا حربہ اہلِ قرآن بھی استعمال کرتے ہیں اور یہی حربہ جماعت اسلامی کے ہاتھ میں بھی نظر آتا ہے۔ دونوں کی تکنک میں آخر وجہ فرق کیا ہے؟

پھر دینی فساد کا الزام دوسروں کے سر ڈال کر اپنی بے گناہی کے اظہار کا مقصد سوا اِس کے اور کیا ہے کہ اہلِ قرآن کے مقابلے میں دین دار مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی یہ بھی ایک ''تکنک'' ہے۔

رسولِ خُدا کی ذہنی غلامی سے آزادی کی طرف پہلا قدم

دینی ہلاکتوں کی یہ المناک داستان اتنے ہی پر بس نہیں ہو جاتی اور آگے سنئے!

یہی مولانا مودودی جنہوں نے رسولِ خُدا کے سوا چاہے وہ صحابی، تابعی یا امام مجتہد ہی کیوں نہ ہو تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے اور اُن کی ذہنی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی جماعت کو ایک نیا عقیدہ مرحمت فرمایا ہے۔

وقتی مصلحت کے پیشِ نظر اُن کے قلم نے اِس مقام پر اتنی احتیاط ضرور برتی ہے کہ رسولِ خُدا کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ لیکن اُن کی فکر کا تیور بتا رہا ہے کہ وہ بڑی حد تک رسولِ خُدا کی ذہنی غلامی سے بھی اپنی جماعت کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ اس کی انہوں نے داغ بیل بھی ڈال دی ہے۔ ثبوت کے لئے اُن کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

''جو اُمور آپ (رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم) نے عادۃً کئے ہیں اُنہیں سنّت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اُن عادات کو اختیار کر لیں اللہ اور رسول کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہ تھا یہ دین میں تحریف ہے''۔ (رسائل ومسائل، ج ۲/ص ۳۰۰، بحوالۂ منصب رسالت نمبر)

اِس کے بعد ذرا آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اِس قسم کی چیزوں کو سنّت قرار دینا اور پھر اُن کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے جس سے نہایت بُرے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے''۔ (رسائل ومسائل بحوالۂ منصبِ رسالت نمبر)

اپنی جماعت کو رسولِ خُدا کی مکمل پیروی سے متنفر کرنے کے لئے یہ کہنا کہ یہی خُدا ورسول کا منشاء ہے، قلم کی اتنی بڑی فریب کاری ہے جس کی مثال تاریخ صحافت میں نہیں

ملتی۔ جب خُدا اور رسول کا یہ منشا ٹھہرا تو کس بدبخت کی مجال ہے کہ اِس عقیدہ کو قبول کرنے سے گریز کرے گا۔

بالفاظ دیگر خُدا اور رسول ہی کا یہ منشا ہے کہ رسول کو ایک پسندیدہ زندگی کے لئے نمونہ کا آدمی نہ سمجھا جائے، اُن کی ہر بات کی پیروی نہ کی جائے اُن کی زندگی کو دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصہ کی اتباع سے اپنے آپ کو قطعاً آزاد کر لیا جائے ورنہ دین میں بہت بڑا فتور پیدا ہو جائے گا اور بدعت وتحریف کے خطرناک نتائج سے کوئی محفوظ نہ رہ سکے گا۔

اربابِ انصاف اِس مقام پر ذرا استدلال کی ساحری ملاحظہ فرمائیں کہ رسول سے اُمت کو چھڑانے کے لئے رسول ہی کو درمیان میں لایا جا رہا ہے اور سنّت کے نشانات کو مٹانے کے لئے سنّت ہی کا تیشہ مستعار لیا گیا ہے۔ کون ایسا سخت جان مسلمان ہے جس کے ذہن وفکر پر اس قیامت کے ساتھ بجلیاں گرائی جائیں اور اُس کے دین وعقل کا آشیانہ سلامت رہ جائے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ اِس طرح کہ طرزِ استدلال کو غارت گری کہنا صورتِ حال کی صحیح تعبیر ہے۔

اب میں مولانا کے ارشادات کی روشنی میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ دین کی تحریف اور بدعت کی ہلاکتوں سے بچنے کے لئے رسولِ خُدا کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرنا اور حضور کے جملہ افعال واقوال کے درمیان عادی، اور غیر عادی کا امتیاز کرنا نیز پیغمبرانہ اور غیر پیغمبرانہ حیثیتوں میں خطِ فاصل کھینچنا کیا ایمان وحق کی سلامتی کے ساتھ یہ ہر شخص سے ممکن بھی ہے؟

اور ظاہر ہے کہ حدیث کی کتابوں میں رسولِ خُدا کے ہر قول اور ہر فعل کی حیثیت جب منقول نہیں ہے اور ہو بھی تو دین سمجھنے کے لئے آپ کے یہاں ''ماضی کے اشخاص'' پر اعتماد کی گنجائش ہی کہاں ہے؟ اِس لئے اِس کا فیصلہ اب ہر شخص کی اپنی صوابدید پر ہے۔ نبی کے جس فعل کو چاہے عادت کے خانے میں ڈال دے اور اس کی پیروی سے آزاد ہی نہیں متنفر ہو جائے اور جس حکم کو چاہے یہ کہہ کر رد کر دے کہ اس کا صدور غیر پیغمبرانہ حیثیت میں ہوا ہے اِس لئے

اِس کی اطاعت دین میں تحریف ہے، بدعت ہے، حرام ہے۔

ذہنی غلامی سے آزادی کے لئے اِن دو چار گروہوں کا کھل جانا بھی کیا کم ہے؟ قدم قدم پر رسولِ خُدا کی پیروی کا جو گردن شکن بوجھ تھا کچھ تو ہلکا ہوا۔

قرآن تو رسولِ خُدا کو نمونے کا آدمی ٹھہراتا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہمیں رسول کی پوری زندگی کا عکس اپنے اندر اُتارنا چاہئے لیکن ذرا عقل کرشمہ ساز کا تماشہ دیکھئے کہ جو دین کی رُوح ہے اُسی کو دین کی تحریف کہا جا رہا ہے اور جو اصل سنّت ہے اُسی کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔

بہر حال کچھ بھی ہو اتنی بات تو اپنی جگہ پر طے ہے کہ جو لوگ آج رسولِ خُدا کی زندگی کے ایک حصے کی پیروی سے آزاد ہو گئے کیا عجب کہ کل دوسرے حصے کی پیروی سے بھی آزاد ہو جائیں اور اِس طرح رسولِ خُدا کی ذہنی غلامی سے مکمل طور پر وہ نجات حاصل کریں۔

نوٹ کر لیا جائے کہ میرا یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں ہے۔ اندیشے کی تفصیلات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

رسولِ خُدا کی ذہنی غلامی سے آزادی کی طرف دوسرا قدم

اپنی جماعت کو رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن افعال واقوال کی پیروی سے جواز راہِ عادت صادر ہوئے، آزاد کرنے کے بعد اس میدان میں مولانا کا دوسرا قدم بھی اُٹھ چکا ہے اور مکمل طور پر رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا جو نقشہ انہوں نے تیار کیا ہے اُس کا ابتدائی خاکہ ملاحظہ ہو:

مولانا ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''جو اُمور فرائض وواجبات اور تقالید شرعیّہ کی نوعیت رکھتے ہیں، ان میں حضور کے ارشادات کی اطاعت اور آپ کے عمل کی پیروی طابق النّعل بالنّعل کرنی ضروری ہے، مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ

مسائل، رہے وہ اُمور جو اسلامی زندگی کی عام ہدایات سے تعلق رکھتے ہیں
مثلاً تمدنی، معاشی اور سیاسی معاملات، اور معاشرت کے جزئیات تو اُن میں
بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا حضور نے حکم دیا ہے یا جن سے بچنے کی حضور
نے تاکید فرمائی ہے۔ بعض ایسی ہیں جن میں حضور کے طرزِ عمل سے ہمیں
مکارمِ اخلاق اور تقویٰ و پاکیزگی کا سبق ملتا ہے اور ہم آپ کے طریقہ کو دیکھ
کر یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ عمل کے مختلف طریقوں میں کون سا طریقہ روحِ
اسلامی سے مطابقت رکھتا ہے''۔ (منصبِ رسالت نمبر ص ۱۳۷)

الفاظ سے کھیلنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ صرف روزہ، نماز وغیرہ عبادات کی حد تک ہم پر رسولِ خُدا کی پیروی ضروری ہے۔ باقی رہ گئے وہ اُمور جو اسلامی زندگی کی عام ہدایات سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً صلح و جنگ، خرید و فروخت، نکاح وطلاق، عدل وقضا، تعلیم و تربیت، اخلاق و آداب، سیاسی معاملات اور معاشرت کے جزئیات وغیرہ تو اُن اُمور میں ہم رسولِ خُدا کی قولی اور عملی ہدایات کے مِن وعَن پابند نہیں ہیں۔

البتہ اِس سلسلہ میں ہم حضور کے طرزِ عمل سے مکارم اخلاق اور تقویٰ و پاکیزگی کا سبق حاصل کر سکتے ہیں اور یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ عمل کے مختلف طریقوں میں کون سا طریقہ روحِ اسلامی سے مطابقت رکھتا ہے۔

یہ معلوم کر کے آپ کو حیرت ہوگی کہ اپنے اِن خیالات میں مولانا مودودی منفرد نہیں ہیں، اہلِ قرآن نے بھی اِسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ البتہ یہ تفصیل بتانے سے قاصر ہوں کہ دونوں میں اصل کون ہے کاپی کس نے کی ہے۔

ثبوت کیلئے ملاحظہ ہو اہلِ قرآن کے سرگرم حامی جسٹس محمد شفیع کے فیصلے کے چند اقتباسات جو منصبِ رسالت نمبر میں شائع کئے گئے ہیں:

''یہ بھی صحیح ہے کہ قرآنِ پاک اِس کی تاکید کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ کی اطاعت
کی جائے۔ مگر اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جہاں انہوں نے ہم کو ایک

خاص کام ایک خاص طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم وہ کام اُسی طرح کریں۔
اطاعت تو ایک حکم ہی کی ہوسکتی ہے جہاں کوئی حکم نہ ہو وہاں نہ اطاعت ہوسکتی
ہے نہ عدمِ اطاعت''۔ (پیراگراف ۲۳، منصبِ رسالت نمبر، ص ۳۰۵)

دوسرا پیراگراف اِس سے بھی زیادہ واضح ہے:

''ایک سے زیادہ مقامات پر قرآن میں یہ بیان ہوا ہے کہ محمد رسول اللہ دنیا کے
لئے ایک بہت اچھا نمونہ ہیں۔ مگر اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک آدمی
کو ایسا ہی ایماندار ویسا ہی راست باز، ویسا ہی سرگرم اور ویسا ہی دیندار و متقی
ہونا چاہئے جیسے وہ تھے۔ نہ یہ کہ ہم بھی بعینہٖ اُسی طرح سوچیں اور عمل کریں
جس طرح وہ سوچتے تھے اور عمل کرتے تھے''۔ (منصبِ رسالت نمبر، ص ۳۱۵)

عقیدۂ رسالت سے گریز کا نیا راستہ

پہلے تو مولانا مودودی نے اُن افعال کی پیروی سے اپنی جماعت کو متنفر کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عادۃً صادر ہوئے ہیں اور اب عبادات کے علاوہ باقی اُن سارے اُمور میں جو اسلامی زندگی کی عام ہدایات سے تعلق رکھتے ہیں اتباعِ رسول کی پابندی سے آزاد کر دیا۔

ابھی تک غنیمت ہے کہ عبادات کی حد تک رسولِ خُدا کی ذہنی غلامی کا حلقہ سلامت ہے لیکن آثار ایسے نظر آ رہے ہیں کہ دیر یا سویر یہ حلقہ بھی ٹوٹ جائے گا اور زندگی کے تمام شعبوں میں صرف جماعتِ اسلامی کے لیڈروں کی پیروی کی جائے گی۔

نوٹ کر لیا جائے کہ میرا یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں ہے۔ اندیشے کی تفصیلات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

اتنا تو ایک عامی بھی جانتا ہے کہ عبادت قطعاً دوسرے مرحلہ کی چیز ہے پہلا مرحلہ رسولِ خُدا کی تصدیق وایمان کا ہے۔ اگر یہی نہ ہو تو عبادت یا دوسرے اُمور میں رسولِ خُدا کی اطاعت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اسلامی عقیدے میں رسولِ خُدا پر ایمان لائے بغیر

بڑے سے بڑے عمل کا کوئی نفع آخرت میں ہرگز مُرتّب نہیں ہوسکتا۔ لیکن مولانا مودودی منفعت اُخروی کے لئے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کو قطعاً ضروری نہیں سمجھتے۔ حوالہ کیلئے موصوف کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

''جو لوگ جہالت و نابینائی کے باعث رسولِ عربی کی صداقت کے قائل نہیں ہیں مگر انبیائے سابقین پر ایمان رکھتے ہیں اور صلاح وتقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہیں اُن کو اللہ کی رحمت کا اتنا حصہ ملے گا کہ اُن کی سزا میں تخفیف ہو جائے گی''۔ (تفہیمات ج۱/ص۱۶۸)

اسلام میں اگر رسولِ عربی کی رسالت کا انکار کُفر ہے تو بالکل پہلی مرتبہ اِس غیر اسلامی عقیدہ سے ذہن آشنا ہوا کہ کُفر کے ساتھ تقویٰ بھی جمع ہوسکتا ہے۔

میں چیلنج کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی اِس عقیدے کی سند موجود ہو تو پیش کیجئے، کہ جو اہلِ کتاب جہالت و نابینائی کے باعث رسولِ عربی پر ایمان نہ لائیں اور اُن کا خاتمہ کُفر پر ہو جائے تو وہ مر جانے کے بعد کسی درجہ میں بھی رحمتِ الٰہی کے سزاوار ہوں گے اور انہیں اپنے عمل کا نفع آخرت میں ملے گا۔

اِس عبارت سے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ جو رسالت کی تصدیق کے بغیر کسی درجہ میں بھی غیر مسلموں کے لئے نعمتِ اُخروی کا قائل ہے وہ رسول کی ذہنی غلامی سے مکمل طور پر آزاد ہو کر بھی نجاتِ اُخروی کا عقیدہ رکھ لے تو کیا تعجب ہے؟

عقیدۂ توحید بھی نخوتِ فکر کی زد میں

پہلے تو مولانا مودودی نے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر اور کامل اطاعت سے آزادی حاصل کی اُس کے بعد دبی زبان سے ایمان بالرسالۃ کو غیر ضروری قرار دیا۔ اب موصوف نے عقیدۂ توحید پر قلم کی تلوار اٹھائی ہے۔

ذیل میں عقیدۂ توحید کی ایک خون آلود تصویر ملاحظہ ہو۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''انسان خواہ خُدا کا قائل ہو یا منکر، خُدا کو سجدہ کرتا ہو یا پتھر کو، خُدا کی پوجا کرتا ہو یا غیر خُدا کی، جب وہ قانونِ فطرت پر چل رہا ہے اور اُس کے قانون کے تحت ہی زندہ ہے تو لامحالہ وہ بغیر جانے بوجھے بلاعمد واختیار، طوعاً وکرہاً خُدا ہی کی تسبیح کر رہا ہے اُسی کی عبادت میں لگا ہوا ہے''۔ (تفہیمات، ج۱/ص۴۳)

اِس مقام پر مولانا مودودی نے اتنی سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ اُن کی نخوتِ فکر شاید ہی انہیں پلٹنے کا موقعہ دے۔

انہوں نے تسبیح اور عبادت دونوں کو ایک ہی فہم میں استعمال کیا ہے۔ حالانکہ دونوں کے مفہوم میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

تسبیح کہتے ہیں اِمکان وحُدوث کے نقائص سے خُدا کی پاکی کا اظہار کرنا۔

(دستورُ العلماء، کتاب التعریفات للجرجانی)

اور **عبادت** کہتے ہیں خُدا کی تعظیم وخوشنودی کے لئے اپنی خواہش نفس کے خلاف کوئی کام کرنا۔ (دستورُ العلماء، تلویح، کتاب التعریفات)

اِس لحاظ سے انسان کا وجود، اُس کی تمام نقل وحرکت، اُس کا ہر قول وفعل ہر وقت خُدا کی تسبیح میں ہے کہ اُس کی پوری ہستی خُدا کے اِمکان وحُدوث سے پاک ہونے کی ایک خاموش شہادت ہے۔

چنانچہ مُفسّرینِ اسلام نے قرآن کی اِس آیت کو اِسی مفہوم پر محمول کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ o

کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین وآسمان میں جتنی مخلوق ہے وہ خُدا کی تسبیح کرتی ہے۔

علامہ بیضاوی اِس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے مرتبۂ ذات میں زمین وآسمان کی ہر چیز خُدا کی تسبیح کرتی ہے یعنی زبانِ حال سے اپنے خالق کے پاک ومنزّہ ہونے کی ہر وقت شہادت دیتی ہے۔

اصطلاحِ شرع میں اِس تسبیح کا نام ''تسبیح قہری'' ہے۔ تسبیح کا یہ مفہوم انسان کی

ہر حالت پر صادق آتا ہے عام ازیں کہ وہ کُفر کی حالت میں رہے یا ایمان کی حالت میں، وہ بلا قصد واختیار طوعاً وکرہاً ہر وقت خُدا کی تسبیح قہری میں مشغول ہے۔

بخلاف عبادت کے کہ اُس کا مفہوم انسان کی صرف اِس حالت پر صادق آتا ہے جب کہ وہ خُدا کی تعظیم وخوشنودی کے لئے اپنی خواہش نفس کے خلاف کوئی کام کررہا ہو۔

ظاہر ہے کہ کُفر وانکار اور پتھروں کے آگے سجدہ ریز ہونے کی حالتوں میں خُدا کی تعظیم وخوشنودی کا قطعاً کوئی تصوّر نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے بُت پوجنے والے، پتھروں کے آگے سجدہ کرنے والے اور خُدا کے ساتھ کُفر کرنے والے کے متعلق یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ وہ اِن حالتوں میں بھی خُدا کی عبادت کررہا ہے جس طرح دوضدوں کا جمع ہونا محال ہے بالکل اِسی طرح اِس کا صحیح ہونا بھی قطعاً ناممکن ہے۔

علاوہ ازیں مولانا مودودی کا یہ نظریہ قرآن کی اُن بے شمار آیتوں سے متصادم ہے جن میں مشرکین اور اصنام کے پرستاروں کے متعلق برملا کہا گیا ہے کہ وہ خُدا کی عبادت نہیں کرتے، شیطان کی عبادت کرتے ہیں، انہوں نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود ٹھہرالیا ہے۔

اور ''سورۂ کافرون'' میں تو بار بار اسی مفہوم کی تکرار ہے، تم جس کی عبادت کرتے ہو ہم اُس کی عبادت نہیں کرتے، ہم جس کے پرستار ہیں تم اُس کے پرستار نہیں۔ بقول مولانا مودودی کے، اگر بُت کا پُجاری بھی خُدا ہی کا عبادت گزار ہے تو قرآن نے اتنی شدت کے ساتھ اُس کا انکار کیوں کیا ہے؟

بہر حال یہ فن بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ ایک ہی جنبشِ قلم میں مولانا موصوف نے توحید وایمان کی بساط اُلٹ کر رکھ دی ہے اور روشنائی کے صرف ایک قطرہ سے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی پوری تاریخ مسخ کرڈالی ہے۔ جب اپنا ہی ذہن سب کچھ ٹھہرا تو قرآن کی آیات اور رسول کے فرمودات کی کون پرواہ کرتا ہے۔ سچ کہا ہے کسی عارفِ حق نے کہ علم کا غلط پندار ایک ایسا مہلک آزار ہے جس کی ہلاکتوں سے نجات پانا بہت مشکل ہے۔

نگاہ پر بوجھ نہ ہو تو مولانا کے ذہن رسا کا ایک عبرتناک تماشا اور آپ کے سامنے

پیش کروں۔

یہاں تو مولانا نے عبادت وتوحید کے مفہوم میں اتنی وسعت پیدا کردی ہے کہ شرک کو عبادت، بُت پرستی کو خُدا پرستی اور مشرک کو خُدا کا بندۂ پرستار مانتے ہوئے بھی نہ اُن کا عقیدۂ توحید مجروح ہوا ہے اور نہ عبادت کے مفہوم پر کوئی حرف آیا ہے۔ لیکن یہی مولانا مودودی انبیاء اور اولیاء کے اُن عقیدت مند مسلمانوں کو جو ظاہر سے باطن تک زندگی کے تمام مراحل میں مومن ہیں، مُوحّد ہیں، عابد ہیں، کلمہ گو ہیں، بے دریغ مشرک سمجھتے ہیں۔ مولانا کی نظر میں نہ اُن کا کلمہ، کلمہ ہے، نہ اُن کی عبادت، عبادت ہے، نہ اُن کی توحید، توحید ہے اور نہ اُن کا اسلام، اسلام ہے۔

ذرا فکر کی نیرنگی ملاحظہ فرمائیے کہ کوئی مشرک ہوکر بھی خُدا کا بندۂ پرستار ہے اور وہ خُدا کا بندۂ پرستار ہوکر بھی مشرک ہیں یعنی کوئی مشرک ہوکر بھی مشرک نہیں اور وہ مومن ہوکر بھی مشرک ہیں۔

ثبوت کے لئے مولانا کی مندرجہ ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمائیے:

> ''انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خُدائی کے قائل ہوگئے وہاں سے خُداؤں کی دوسری اقسام تو رُخصت ہوگئیں مگر انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ اور ظل اللّٰھوں کی خُدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خُداؤں کو چھوڑ کر اُن نیک بندوں کو خُدا بنالیا'' (تجدید واحیائے دین، ص۱۶)

آگے چل کر پوری وضاحت کے ساتھ اِس مشرک طبقے کی نشاندہی اُن الفاظ میں کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

> ''مشرکانہ پوجاپاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارات، نیاز، نذر، عُرس، صندل، چڑھاوے، نشان، علم، تعزیئے اور اِسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک

نئی شریعت تصنیف کر لی گئی‘‘۔ (تجدید، ص ۱۱)

دوسرے مقام پر اِس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ گُل افشانی فرماتے ہیں:

’’جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستہ سے ہٹا کر اُن کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بُت پرستی تو نہ ہو سکی باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے مسلمانوں میں رواج نہ پایا۔ پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصوّرات لئے چلے آئے اور یہاں اُن کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگانِ اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کریں، پُرانے معبدوں (بت خانوں) کی جگہ مقابرِ اولیا سے کام لیں‘‘۔ (تجدید واحیاء، ص ۳۰)

بدمست شرابی کی طرح قلم کی آوارگی ملاحظہ فرمائیے! بہتان وافتراء کو واقعہ کا جامہ پہنا دینا اگر کوئی ہنر ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ مولانا اِس ہنر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

دنیا کا کون مسلمان ہے جو انبیاء واولیاء کو اپنا معبود سمجھتا ہے اور اصنام کی جگہ قبروں کی پرستش کرتا ہے۔ اِس طرح کا کوئی فرضی مسلمان مولانا مودودی کی دنیائے خیال میں ہو تو ہو، واقعات کی دنیا میں ہرگز نہیں ہے۔

خُدا کا محبوب ومقرب بندہ سمجھ کر بزرگوں کے مقابر کی زیارت وروحانی استفاضہ اور مقدس ہستیوں کے آثار کا تحفظ اگر مولانا کے تئیں بُت پرستی ہے تو میں عرض کروں گا کہ ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھئے! یہ جاہلیت مشرکانہ کی نہیں خود عہدِ اسلام کی یادگار ہے۔ خود قرآن نے مقامِ ابراہیم کو سجدہ گاہ اور صفا ومروہ کو مسعیٰ بنانے کا حکم دے کر تعظیمِ آثار کے عقیدہ پر اپنی مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔

پھر جن مزارات ومقابر کو مولانا مودودی صنم خانے سے تعبیر کرتے ہیں اُن کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ آئے کہاں سے؟ ظاہر ہے کہ روضۂ رسول پاک ہو یا مزاراتِ اہلِ بیت وصحابہ، اولیائے عرب کے مقابر شریفہ ہوں یا عجم کے، یہ کچھ آج نہیں بنا لئے گئے ہیں۔ بلکہ

عہدِ صحابہ سے لے کر آئمۂ مجتہدین، مشائخ ومُحدِّثین اور فقہائے اسلام کے دَور تک جس دن کسی مقرب خُداوندی کو سپردِ خاک کیا گیا اُسی دن سے اُس کے مدفن کی حفاظت شروع ہوگئی۔ اُس کی تُربت کے نشانات کو باقی رکھنے کے لئے اردگرد صالحین کا پہرہ بیٹھ گیا، یہاں تک کہ اُس مزار کی رونق وآبادی کا اہتمام قرنِ اول سے شروع ہو کر بعد میں آنے والے صلحائے اُمّت تک ہر قابلِ اعتماد دَور میں ہوتا رہا۔

عمائدینِ اسلام کی مربوط، مسلسل اور متوارث جدوجہد کے بعد کہیں جا کر آج ہمیں عہدِ قدیم کے ایک مزار کی زیارت نصیب ہوئی۔ اگر یہ زیارت اور روحانی استفاضہ بُت پرستی تھی تو بتایا جائے کہ چودہ سو برس کی طویل مدّت تک اُس مزار کو باقی رکھنے کے لئے ایک عظیم اہتمام کا مقصد کیا تھا؟

کروڑوں مقابر اہلِ اسلام کی طرح اُس کے نشانات بھی مٹ گئے ہوتے تو شوقِ عقیدت کا یہ سارا ہنگامہ وجود ہی میں نہ آتا۔ اِس لئے ماننا پڑے گا کہ اللہ والوں کا مزار چودہ سو برس کی اسلامی روایات کا ایک محفوظ اور قابلِ فخر سرمایہ ہے۔ جو اُن روایات پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے وہ پوری تاریخِ اسلام سے نہ صرف دنیا کو بدگمان کرانا چاہتا ہے بلکہ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اِن سارے اَدوار میں توحیدِ خالص کے اقتدار کا ایک دَور بھی اسلام پر نہیں گزرا ہے۔

پھر ’’جاہلیت مشرکانہ‘‘ کہہ کر اِن روایات پر جو حملہ آور ہوتا ہے اُس کا حملہ عوام پر نہیں، خواص پر ہے۔ دینی تاریخ کے لاکھوں بکھرے ہوئے اوراق پر آج بھی ائمۂ حق اور اسلام کے مقتدر پیشواؤں کی ایک تھکا دینے والی طویل فہرست ہمارے سامنے موجود ہے جنہوں نے مزاراتِ انبیاء واولیاء کی زیارتیں کیں اور اُن سے روحانی استفاضہ کیا۔

اگر اِسی کا نام شرک ہے تو مجھے کہنے دیا جائے کہ اسلامی تاریخ کے تمام طبقات کو مشرک تسلیم کرنے کی بہ نسبت یہ تسلیم کرنا زیادہ آسان اور قرینِ عقل ہے کہ مولانا مودودی کا ذہن ہی مشرک ساز اور کافر گر ہے۔ ایک انسان یا چند انسانوں کی فکری گمراہی ممکن ہے لیکن کروڑوں انسانوں کی مسلسل، متوارث اور مربوط گمراہی کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

اور پھر مولانا مودودی جنھوں نے ماضی کے اشخاص سے اپنا رشتہ اعتماد منقطع کرلیا ہے وہ اُن کی دینی حیثیت مجروح کرنے کے لئے اِس سے بھی زیادہ کوئی سنگین الزام تراش لیں تو اُن سے بعید ہی کیا ہے۔ وہ قطعاً ایسا کر سکتے ہیں بلکہ کرتے رہتے ہیں۔

لیکن جو لوگ کہ ''ماضی کے اشخاص'' پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور رسالت کے فیضان سے بہرہ مند ہونے کے لئے انہیں درمیان کی ایک لازمی کڑی سمجھتے ہیں وہ ہرگز اِس طرزِ فکر کو برداشت نہیں کر سکتے۔

کیا اب بھی جماعتِ اسلامی کے لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو یہ کہہ کر دھوکا دے سکیں گے کہ ہمارے یہاں عقائد کی جنگ نہیں لڑی جاتی اور ہم کسی مسلم فرقے کی دل آزاری نہیں کرتے؟

جماعتِ اسلامی کے ظاہری محاسن کا جائزہ

بحث کے خاتمے پر چند ضروری باتیں ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں تک میں نے جماعتِ اسلامی کے فکری مُوَقف، سرگرمیوں کے نتائج اور مقاصد پر بحث کی ہے۔

لیکن اب جماعت کے اِن ظاہری محاسن پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جن کی نمائش کر کے وہ مسلمانوں میں اپنا رُسوخ پیدا کرتی ہے۔ اُن کے جلی عنوانات تین حصوں میں سمیٹے جا سکتے ہیں۔

۱۔لٹریچر ۲۔تنظیم وتربیت ۳۔اقامتِ دین یا اسلامی ریاست کا قیام

میں اُمید کرتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کو ظاہری رُخ سے دیکھ کر جو لوگ خوش فہمیوں کا شکار ہیں انہیں صحیح معلومات کی روشنی میں لانے کے لئے یہ چند سطریں بہت مفید ثابت ہوں گی۔

لٹریچر

جماعتِ اسلامی کے ظاہری محاسن کے سلسلہ میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے دل نشین لٹریچر کے ذریعہ مغرب زدہ ذہنوں کو اسلام کی طرف واپس لانے کی مؤثر کوشش کر رہی ہے۔ جماعت کی یہ اتنی عظیم خدمت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

میں عرض کروں گا جہاں تک مغرب زدہ ذہنوں کو اسلام سے قریب لانے کا سوال ہے، اِس خدمت کے لائق تحسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اِس سلسلہ میں بحث کا سب سے اہم گوشہ یہ ہے کہ پہلے اسلام کا مفہوم اور اُس کی تشریح کا رُخ متعین کیا جائے۔

مَیں گذشتہ اوراق میں ثابت کر چکا ہوں کہ جماعتِ اسلامی جس اسلام کی طرف مغرب زدہ حضرات کو بلا رہی ہے وہ خود اُس کا اپنا تشریحی اسلام ہے اُس کی پُشت پر نہ چودہ سو برس کی روایات کا تسلسل ہے نہ حاملانِ اسلام کے اُس مقدس گروہ سے کوئی فکری رابطہ ہے جس سے مربوط ہوئے بغیر اسلام کو سمجھنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے۔

کاروانِ اسلام کی عام گزرگاہ سے ہٹ کر تنہا اپنی فکر کی بنیاد پر وہ ایک نیا راستہ ہموار کرنا چاہتی ہے اور یہ یقین دلانے کے لئے کہ یہی اسلام کا اصل راستہ ہے اِس کے پیچھے دیدہ زیب لٹریچر کا انبار جمع کر دیا ہے۔ اِس لئے ہمیں یہ باور کرنے میں قطعاً کوئی تامل نہیں ہے کہ جماعتِ اسلامی کا لٹریچر اِس سے زیادہ اور کوئی خدمت انجام نہیں دے رہا ہے کہ مغرب زدہ ذہنوں کو ایک گمراہی سے نکال دوسری گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

فرق اتنا ہے کہ پہلے اسلام کے خلاف گمراہی تھی اب اسلام کے نام پر گمراہی ہے۔ پہلی گمراہی سے پلٹنا آسان تھا، دوسری گمراہی سے نجات پانا بہت مشکل ہے۔

گمراہیوں کا تبادلہ بھی اگر تحسین و پذیرائی کے قابل ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، جماعتِ اسلامی کے محاسن کی فہرست میں اِسے ضرور شامل کر لیا جائے۔

پھر فکر و اعتقاد کے مفاسد کے باوجود اگر کسی جماعت کی صرف اتنی سی خدمت اُس کی حمایت کے لئے وجہ جواز ہو سکتی ہے تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ اِس سلسلہ میں احمدی جماعت (قادیانی جماعت) کی خدمات اِس سے بھی زیادہ نمایاں ہیں۔

جماعتِ اسلامی جن لوگوں کو اسلام سے قریب کرتی ہے وہ ہزار بگڑنے کے باوجود کسی نہ کسی نہج سے اسلام کے ساتھ بہرحال کوئی تعلق رکھتے ہیں لیکن قادیانی جماعت کا لٹریچر مغرب کے اُن عیسائیوں کو جو اندر سے لے کر باہر تک اسلام کے غالی دشمن اور حریف ہیں انہیں اسلام سے قریب ہی نہیں کرتا اپنے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھواتا ہے۔

ذیل میں قادیانی جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ دیوبندی جماعت کے مشہور اہلِ قلم جناب عبدالماجد دریابادی مدیر ''صدق جدید'' لکھنؤ، قادیانی تحریک کے ایک کتابچہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''احمدیہ جماعت قادیان، اپنے رنگ میں جو خدمت تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں کر رہی ہے یہ رسالہ اُس کا پورا مُرقّع ہے۔ جماعت کے مشن یورپ، امریکہ، مغربی افریقہ، ماریشس، انڈونیشیا، نائیجیریا اور ہندوستان

و پاکستان کے خُدا معلوم کتنے مختلف مقامات میں قائم ہیں۔ اُن سب کی فہرست اور اُن کی کارگزاریاں، اُن سے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت انگریزی، فرنچ، جرمن، ڈچ، اسپینی، فارسی، برمی، ملایا، تامل، ملیالم، مرہٹی، گجراتی، ہندی، اُردو زبان میں اُن کی مسجدوں، اُن کے اخبارات و رسائل کی فہرست اور اِسی قسم کی دوسری تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر اُن صفحات میں نظر آجائے گا''۔ (صدق جدید، ۷ جون ۵۷ء بحوالہ تبلیغِ اسلام)

۲۔ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' علی گڑھ رقم طراز ہے:

''موجودہ زمانے میں احمدی جماعت نے منظّم تبلیغ کی جو مثال قائم کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ اِس کتاب سے جماعت مذکورہ کی تبلیغی مساعی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لٹریچر، مساجد اور مدارس کے ذریعہ یہ لوگ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے دور دراز گوشوں تک اپنی کوششوں کا سلسلہ قائم کر چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے غیر مسلم جماعتوں میں یک گونہ اضطراب پایا جاتا ہے۔ کاش دوسرے لوگ بھی اُن کی مثال سے سبق لیتے''۔ (ہماری زبان، ۲۲ دسمبر ۵۸ء)

۳۔ یورپ، ایشیا، امریکہ اور افریقہ کے جن ملکوں میں قادیانی جماعت نے اپنے تبلیغی مشن قائم کئے ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ منظّم طریقے پر بنام اسلام اپنے مذہب کا پیغام اجنبی دنیا تک پہنچا رہے ہیں۔ کام کی وُسعت کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ان ملکوں کے نام پڑھئے: انگلینڈ، امریکہ، ماریشس، مشرقی افریقہ، مغربی افریقہ، نائیجیریا، انڈونیشیا، ملایا، اسپین، سوئز رلینڈ، ایران، فلسطین، ہالینڈ، جرمنی، جزائر غرب الہند، سیلون، بورنیو، برما، شام، لبنان، مسقط، پولینڈ، ہنگری، البانیہ، اٹلی۔

۴۔ قادیانی جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں اور دائرۂ عمل کی وسعتوں کا اندازہ لگانے کے لئے صرف اتنا معلوم کرنا کافی ہوگا کہ دنیا کی چودہ اجنبی زبانوں میں انہوں نے قرآنِ کریم کے تراجم شائع کئے ہیں۔ ان کی فہرست ملاحظہ فرمائیے:

انگریزی، ڈچ، جرمنی، سواحیلی، ہندی، گورمکھی، ملایائی، فینسٹی، انڈونیشین، روسی، فرانسیسی، پرتگیزی، اطالوی، ہسپانوی۔

۵۔ دنیا کی جن مختلف زبانوں میں قادیانی جماعت کے تبلیغی اخبارات ورسائل شب وروز سرگرم عمل ہیں اُن کی فہرست یہ ہے: اردو زبان میں نو۔ انگریزی زبان میں گیارہ۔ انڈونیشین زبان میں دو۔ ملیالم میں ایک۔ جرمن میں ایک۔ تامل میں ایک۔ سواحیلی زبان میں ایک۔ فرنچ زبان میں ایک۔ ڈچ زبان میں ایک۔

۶۔ دنیا کے جن مختلف حصوں میں قادیانی جماعت نے مساجد کی تعمیر کی ہیں جنہیں وہ تبلیغی مراکز کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے:

انڈونیشیا میں چونتیس۔ گولڈ کوسٹ میں ایک سو اکاون۔ نائیجیریا میں انیس۔ سیرالیون میں پچیس۔ امریکہ میں تین۔ مشرقی افریقہ میں تین۔ ملایا میں دو۔ ماریشس میں ایک۔ سیلون میں ایک۔ شام میں ایک۔ فری ٹاؤن میں ایک۔ ہالینڈ میں ایک۔ انگلستان میں ایک۔

۷۔ دنیا کے جن حصوں میں قادیانی جماعت نے اپنی مذہبی درسگاہیں قائم کی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے۔

سیرالیون میں چالیس۔ گولڈ کوسٹ میں بارہ۔ نائیجیریا میں دس۔ انڈونیشیا میں ایک۔ مشرقی افریقہ میں ایک۔ سنگاپور میں ایک۔ فلسطین میں ایک۔

(رسالہ تبلیغ اسلام زمین کے کناروں تک)

مشرق سے لے کر مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک قادیانی جماعت کا یہ تبلیغی محاذ بنام اسلام ہی قائم ہے۔ اِن تمام تبلیغی سرگرمیوں اور عالمگیر تنظیموں کے پیچھے قادیانی جماعت کے فاسد ارادوں اور پیش نظر مقاصد پر اگر بحث نہ کی جائے اور صرف اُن کی ظاہری خدمات اور خوبصورت نعروں پر بھروسہ کرلیا جائے جن کے ذریعہ وہ اپنا تعارف کراتے ہیں تو میں یقین کرتا ہوں کہ ہر مسلمان اُن کی تحریک میں شریک ہونے کی خواہش اپنے تئیں ضرور

محسوس کرے گا۔

ذیل میں قادیانی جماعت کے چند تعارفی نعرے ملاحظہ فرمایئے:

''ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لَاۤاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه اور ہمارے اعتقاد جو ہم اِس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل وتوفیق باری تعالیٰ اِس عالم گزراں سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمالِ دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبۂ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کرکے خُدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اِس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآنِ شریف خاتم کُتُب سماوی ہے اور ایک شوشہ یا نقطہ اُس کے شرائع اور حُدود اور احکام اور اَوامر سے زیادہ نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کم ہوسکتا ہے، کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام من جانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکامِ قرآنی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کرسکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعتِ مومنین سے خارج اور مُلحِد اور کافر ہے''۔ (ازالہ اوہام بحوالہ تبلیغ اسلام)

اِس سے بھی زیادہ واضح اور بے غُبار قادیانی جماعت کا یہ تعارفی بیان پڑھئے:

''ہم اِس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خُدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق، اور حشرِ اجساد حق، اور روزِ حساب اور جنّت حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اِس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے

ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اِس کلمۂ طیبہ پر ایمان رکھیں لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ اور اِسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن سے ثابت ہے اُن سب پر ایمان لائیں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں ۔غرض وہ تمام اُمور جن پر سلف صالح کا اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ اُمور جو اہلِسنّت کی اِجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افتراء کرتا ہے، اور قیامت میں ہمارا اُس پر دعویٰ ہے کہ کب اُس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اِس قول کے دل سے اُن کے مخالف ہیں''۔(ایام الصلح ص ۸۶۔۸۷، بحوالہ تبلیغِ اسلام شائع شدہ قادیان)

جماعتِ اسلامی کے سارے ذمہ دار افراد سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اپنے تعارف میں قادیانی جماعت کے اُن خوبصورت الفاظ، بے غبار اندازِ بیان اور اپنے مذہب کی حسین ترجمانی پر وہ کہیں بھی انگشت اعتراض رکھنے کی جگہ بتائیں؟ کہیں بھی اسلام کی بغاوت اور عقیدے کے فساد کا کوئی سراغ ملتا ہو تو اُس کی نشاندہی کریں؟

بلکہ تعارف کے یہ الفاظ کہ ''وہ تمام اُمور جن پر سلف صالح کا اعتقادی اور عملی طور پر اِجماع تھا اور وہ جو اہلِ سنّت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں اُن سب کا ماننا فرض ہے'' جماعتِ اسلامی کو شرمسار کر دینے کے لئے کافی ہیں جبکہ سلف صالح کے اعتقاد و عمل اور اہلِ سنّت کی اجماعی رائے سے مکمل انحراف و بے زاری منجملہ اُن مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جسے جماعتِ اسلامی اپنے پیشِ نظر رکھتی ہے۔

ایک اہم فیصلہ

اندرونی مفاسد سے آنکھیں بند کر کے صرف ظاہری محاسن پر شیفتہ ہونے والوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا حوالوں کے مطابق قادیانی تحریک کی پُشت پر تبلیغی لٹریچر کا یہ انبار، اسلام کے نام پر کارکنوں کی یہ عالمگیر تنظیم، اپنی تحریک کا یہ حسین و بے غُبار تعارف، کیا یہ سب مل جل کر اِس بات کا جواز فراہم کرتے ہیں کہ اُن ظاہری محاسن کی بنیاد پر مسلمانوں کو قادیانی تحریک کی حمایت کرنی چاہئے؟

اگر ایسا نہیں ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے تو معقول وجہ بتائی جائے کہ بریلی سے لے کر دیو بند تک اور تبلیغی جماعت سے لے کر جماعتِ اسلامی تک مذاہبِ فکر کے یہ سارے حلقے کیوں اِس بات پر متفق ہیں کہ قادیانی تحریک کی حمایت کرنا، اس میں شریک ہونا اسلام سے مکمل اِنحراف اور قرآن سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

پھر گہرائی میں اُترنے کے بعد سوا اِس کے اور کیا وجہ دریافت کی جاسکتی ہے کہ لٹریچر، تنظیم اور نعرہ ہی سب کچھ نہیں ہے اس کے پیچھے قادیانی تحریک کا ایک خوفناک مقصد بھی ہے اور وہ ہے اسلام کے نام پر اسلام کو منہدم کرنے کی خطرناک سازش!

پچھلے دنوں پاکستان میں قادیانی تحریک کے خلاف مولانا مودودی کے ہنگامہ خیز جہاد نے جماعتِ اسلامی کو بھی اِس حقیقت کا یقین دلایا ہے کہ عقیدہ کے فساد کے بعد ظاہر کی ہزار بناوٹ بھی کسی جماعت کے خلاف نوٹس لینے سے ہمارے لئے مانع نہیں ہوسکتی اور مسلم معاشرے میں کسی جماعت کی مقبولیت و باریابی اُس کے ظاہری وسائل وخدمات کی بنیاد پر نہیں بلکہ رفاقتِ حق اور صحتِ اعتقاد کی بنیاد پر ہے۔

پھر پچھلے صفحات میں جو حقائق سپردِ قلم کئے گئے ہیں بالخصوص نیازی صاحب کے مراسلہ اور استعفانامہ کے ذریعہ جماعتِ اسلامی کے جو سنسنی خیز حالات منظرِ عام پر آئے ہیں کیا وہ اس اَمر کی واضح نشاندہی نہیں کرتے کہ جماعتِ اسلامی بھی سنگین ارادوں سے مسلح ہو کر اجتماعی تحریک کے پردے میں ایک نئے مذہبِ فکر کے لئے زمین ہموار کر رہی ہے؟ اور

یہاں بھی اسلام کے نام پر اسلام کے خلاف عقل وذہانت کی ایک خوفناک سازش بتدریج پروان چڑھ رہی ہے۔ آثار وواقعات کی یہ شہادت مسترد نہیں کی جاسکتی کہ عبوری دور ختم ہوجانے کے بعد جماعتِ اسلامی کی یہ اجتماعی تحریک بھی ایک مذہبی فرقے کی حیثیت میں یقیناً تبدیل ہوکر رہے گی۔ اُس وقت ہمیں اچھی طرح محسوس ہوجائے گا کہ مسلم معاشرے کے درمیان اسلام کے خلاف ایک کامیاب سازش کا مقابلہ کتنا پیچیدہ، حوصلہ شکن اور دُشوار اَمر ہے۔ اِس مقام پر ہم سے یہ سوال نہ کیا جائے کہ اسلام کے یہ مخلص خُدّام بھلا اسلام کے خلاف سازش کرسکتے ہیں؟ میں عرض کروں گا اِس دَور باطل میں شخصیتوں کی کوئی ضمانت ہمارے پاس نہیں ہے۔ خود جماعتِ اسلامی کا دستور بھی رسولِ خُدا کے سوا کسی کو معیارِ حق بنانے سے ہمیں نہایت سختی کے ساتھ روکتا ہے۔

علاوہ ازیں مرزا غلام احمد قادیانی اور مسٹر عنایت اللہ خاں مشرقی سے لے کر عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز تک ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں جتنے بھی اسلام کے دوست نما دشمن گزرے ہیں جن کی تحریکوں کو جماعتِ اسلامی بھی اسلام دشمن تحریک سمجھتی ہے آخر یہ بھی تو اسلام کے مخلص خُدّام ہی کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے تھے! کب انہوں نے ہم سے برملا کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کو گمراہ اور اسلام کو مسخ کرنے اُٹھتے ہیں۔

نہ اُن کی تحریکوں کے بارے میں آسمان سے اسلام دشمنی کی کوئی آیت اُتری تھی اور نہ آج جماعتِ اسلامی کے حق میں اسلام کے ساتھ اخلاص ودوستی کی کوئی صورت نازل ہوئی ہے۔ کفر والحاد نے ایمان کی فصیلوں کی طرف جب بھی اور جہاں بھی پیش قدمی کی ہے حق کی تلوار بے نیام ہوگئی ہے، فتنہ بہرحال فتنہ ہے وہ جس گلی سے اُٹھے صرف کیمپ کے بدل جانے سے حملہ آوروں کو امن کا محافظ نہیں کہا جاسکتا۔

حرف آخر یہ ہے کہ خود جماعتِ اسلامی کے نزدیک بھی اِن باطل تحریکوں کا نمائشی اسلام اور تبلیغی لٹریچر اگر عقیدے کے فساد سے صرف نظر کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک ہی کیس کا فیصلہ جماعتِ اسلامی کے حق میں صرف اِس لئے بدل دیا جائے کہ

اُن کا نام خاکسار، قادیانی اور اہلِ قرآن نہیں بلکہ ''جماعتِ اسلامی'' ہے۔

تنظیم وتربیت

جماعتِ اسلامی کے محاسن کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ انقلابی تنظیم وتربیت کے ذریعہ مسلمانوں میں ایک ایسی ''صالح جماعت'' تیار کرنا چاہتی ہے جو دنیا کے سامنے اسلامی زندگی کا عملی نمونہ پیش کرسکے اور اِس راہ سے اسلام کے سیاسی اقتدار کو دنیا پر مُسلّط کرنے کے لئے راستہ ہموار کیا جائے۔

میں عرض کروں گیا یقیناً یہ خدمت بھی تحسین وپذیرائی کے قابل ہے لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ الفاظ ہی سب کچھ نہیں اُن کے پیچھے واقعات کی دُنیا بھی ہے۔

صالح جماعت سے اگر وہی تربیت یافتہ لوگ مراد ہیں جو سوائے مودودی صاحب کے کسی کو بھی کامل الایمان نہیں سمجھتے اور جن کی نظر میں بڑے بڑے مشاہیرِ اُمّت کا کاملُ الایمان ہونا مُشتبہ ہوگیا ہے اور جو سارے اکابرینِ اسلام سے کٹ کر صرف قائدینِ جماعت کی ذہنی غلامی پر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ ایسی صالح جماعت دنیا میں نہ پیدا ہو۔

آج ملّتِ اسلام جن سینکڑوں فتنوں سے دوچار ہے وہی کیا کم ہے کہ ایک نئے فتنے کو دودھ پلا کر جوان کیا جائے۔ یہ صالح جماعت دنیا کے سامنے جس اسلام کا عملی نمونہ پیش کرے گی پچھلے صفحات میں ہم اِس کی حقیقت واضح کرچکے ہیں۔

سنجیدہ لب ولہجہ میں اتنی بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی اگر صرف ایک اجتماعی اور اصلاحی تحریک کی حیثیت سے منظر عام پر آتی اور ہماری مذہبی روایات ومعتقدات کے خلاف سرد جنگ لڑنے کے لئے ایک نیا میدان نہ تلاش کرتی تو ہم ہزار اختلاف کے باوجود اُسے کسی حد تک برداشت کرلیتے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اِس کا مقصد مسلمانوں کی تنظیم کرنا نہیں بلکہ انہیں خاموش تربیت کے ذریعہ ایک نئے مذہبِ فکر میں تبدیل کرنا ہے۔

مسلمانوں کی تنظیم اور مفید تربیت سے کسے انکار ہے لیکن جو چیز ناقابلِ برداشت ہے وہ مسلمانوں میں ایک نئے فرقے کی تشکیل ہے۔

اب ہم اُن بنیادوں کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن کی روشنی میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی کسی تحریک کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مذہبی فرقے کی حیثیت سے مسلم آبادیوں کی طرف دبے پاؤں بڑھ رہی ہے۔

۱) ہندوستان میں بہت سے مذہبی فرقے بھی ہیں اور بہت سی اجتماعی تحریکیں بھی! اِن دونوں میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا مزاج اور اپنی اپنی ضرورتیں ہیں۔ کسی بھی مذہبی فرقے کی جہاں اپنی بہت ساری ضرورتیں ہیں وہاں اُس کی اپنی درسگاہ بھی ہے چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہبی فرقے سُنی، شیعہ، وہابی اور اہلحدیث وغیرہ کی الگ الگ درسگاہیں آپ کو قدم قدم پر نظر آئیں گی لیکن کسی اجتماعی تحریک کی کوئی اپنی الگ درسگاہ آپ کو کہیں نہیں مل سکے گی۔

بخلاف جماعتِ اسلامی کے کہ جہاں اس کے لٹریچر الگ ہیں، حلقۂ فکر الگ ہے مذہبی پیشوا الگ ہیں وہاں اُس کی درسگاہ بھی الگ ہے۔ رامپور کی مرکزی درسگاہ سے لے کر اُس کی شاخوں تک ہر درسگاہ کا نام بھی ''درسگاہ جماعتِ اسلامی'' ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلامی ذہن کا وہ کون سا سانچہ ہے جو ہندوستان کی کسی بھی مذہبی درسگاہ کو میسر نہیں اور جس کے لئے جماعتِ اسلامی کو علیحدہ اپنی درسگاہ قائم کرنی پڑی۔

تسلیم کرنا ہوگا کہ ٹھیک ایک مذہبی فرقے کی طرح جماعتِ اسلامی بھی ایک خاص عقیدہ، ایک خاص مکتبۂ فکر ایک خاص مذہبی مزاج اور مختلف فرقوں کے درمیان کچھ امتیازی تشخصات رکھتی ہے اِس لئے اس کی یہ ضرورتیں دوسری مذہبی درسگاہوں سے پوری نہیں ہوسکتیں۔

خُدا خیر کرے! صرف لٹریچر کے ذریعہ علیحدگی پسندی کے رُجحانات کا جب یہ حال ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ جماعتِ اسلامی کا تعلق صرف انہیں استعمال کرنے تک رہ گیا ہے تو ابتدا ہی سے جن بچوں کے ذہن کی تعمیر علیحدگی پسندی کے بوجھل ماحول میں ہوگی۔ آگے چل کر ان کی جماعتی عصبیّت کا کیا قیامت آشوب عالم ہوگا۔ جماعتی رُجحانات کے

نقطۂ انتہا پر پہنچ جانے کے بعد کیا آسانی کے ساتھ وہ ایک مذہبی فرقے کی حیثیت میں تبدیل نہیں ہو جائیں گے۔

۲) ٹھیک ایک مذہبی فرقے کی طرح جماعتِ اسلامی کے لوگ بھی باہر کے علماء سے اپنا کوئی خاص دینی تعلق نہیں رکھتے۔ مذہب کے روزمرّہ مسائل واحکام سے لے کر قرآن وحدیث کی تشریحات تک ہر شعبۂ معلومات میں وہ صرف اپنی جماعت کے علماء پر اعتماد کرتے ہیں۔

اِس سلسلے میں نہ قدیم علمائے اسلام کی کتابوں پر وہ بھروسہ کرتے ہیں نہ موجودہ علماء کی تصنیفات کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں۔ بالکل ایک مذہبی فرقے کی طرح دارالمطالعہ سے لے کر مجلسِ وعظ وتذکیر اور درسگاہوں تک اُن کی ہر چیز عام مسلمانوں سے الگ ہوگئی ہے۔

مسجدوں کو ابھی چونکہ وہ ایک ''مذہبی شکارگاہ'' کے طور پر استعمال کرتے ہیں اِس لئے جب تک انہیں شکار کی توقع ہے وہ اُسے الگ نہیں کریں گے۔ ویسے مسجدوں پر اپنا جماعتی اقتدار مُسلّط کرنے کی خاموش سرگرمیوں سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے۔

اِس مقام پر جماعتِ اسلامی کا کوئی وکیل کہہ سکتا ہے کہ مسلم مجلس مشاورت میں شرکت کے بعد جماعتِ اسلامی پر علیحدگی پسندی کا الزام قطعاً صحیح نہیں ہے۔ میں عرض کروں گا کہ فکری سطح پر جماعتِ اسلامی ہند، پاکستان کی جماعتِ اسلامی کا سکنڈ اڈیشن ہے۔ گزشتہ صفحات میں نیازی صاحب کی زبان سے آپ یہ کہانی سُن چکے ہیں، کہ صرف اقتدار کی لالچ میں وہاں کی جماعتِ اسلامی کس ڈرامائی انداز میں اپنے جماعتی مؤقّف سے اچانک ہٹ گئی ہے۔ حالانکہ وہاں کی جماعت پر مولانا مودودی جیسے ''معصوم اور تنقید سے بالاتر'' امام کی فرماں روائی ہے۔

حوالہ بہت دُور نکل گیا ہے اس لئے نیازی صاحب کے مراسلہ کے اِن اقتباسات کو پڑھ کر پھر اپنا ذہن تازہ کر لیجئے:

۶۔ پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے اب محاذ کے ساتھ شریک ہوکر ''غیر صالحین'' کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں۔

۷۔ ہم نوٹ پر قائدِ اعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے، صدارتی انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے اُن کی بہن کے تصویری واوَچر گلی گلی فروخت کئے۔

۸۔ پہلے ہم نے صدارتی سے بھی بڑھ کر اماراتی تصورِ خلافت پیش کیا۔ اب ہم پارلیمانی نظام جمہوریت کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔

۹۔ پہلے ہم اسمبلیوں میں اراکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے بعد میں ہم نے خود اُس پر عمل کیا۔

۱۰۔ پہلے ہم مخلوط (مردوزن کے ملے جُلے) جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور اُن میں تقریریں کرتے ہیں۔

۱۱۔ پہلے ہم علماء کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ پارٹیوں کو ساتھ ملانا غلط سمجھتے تھے اب علماء کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے محاذ کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں۔

۱۲۔ پہلے ہم خواتین کو ووٹ کا حق دینے میں راضی نہ تھے۔ اب اُن کی صدارت کے لئے کوشش کرتے ہیں۔

۱۳۔ پہلے ہم طلبا کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے روکتے تھے اب اُن سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی اپیلیں کرتے ہیں۔

۱۴۔ پہلے ہم جلوسوں اور نعروں کو غیر اسلامی کہتے تھے اب غلافِ کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے رہنماؤں کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔

۱۵۔ پہلے ہم انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدمات لے جانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے اب ان ہی عدالتوں کو ہم عدل وانصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں۔

۱۶۔ پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رُکن سمجھتے تھے اب اُن ہی کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں۔ (بحوالہ روزنامہ قومی آواز لکھنؤ، یکم مارچ ۶۵ء)

دیکھ رہے ہیں آپ؟ موسموں کی تبدیلی کی طرح جماعتی مؤقف کی تبدیلیوں کا تماشا!

جب پاکستان کی جماعتِ اسلامی کا یہ حال ہے کہ سیاسی اقتدار کے لئے ایک چُھن میں جماعت کی ساری تاریخ اور سارا جغرافیہ بدل کر رکھ دیتی ہے تو نقشِ قدم پر چلنے والی بھارت کی جماعتِ اسلامی بھی اگر مادی اعزاز اور عوامی مقبولیت کے لئے مسلم جماعتوں کے ساتھ کبھی مل بیٹھے تو اُسے موقعہ پرستی تو کہا جاسکتا ہے پر جماعت کا مزاج نہیں کہا جاسکتا۔

علاوہ ازیں سارا ہندوستان جانتا ہے کہ فکر واعتقاد کی بنیاد پر مسلمانوں کی نوے فیصد اکثریت جماعتِ اسلامی کے اندازِ فکر اور اس کے مذہبی مؤقف سے متفق نہیں ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کو مسلم معاشرے میں کھل کر کام کرنے کا میدان نہیں مل رہا ہے اس لئے وہ شکاریوں کی طرح کمین گاہوں میں چُھپ کر شکار کرتی ہے۔

لامحالہ اِن حالات میں اُسے ایک ایسے عوامی پلیٹ فارم کی ضرورت تھی جہاں سے وہ عام مسلمانوں میں باریاب ہونے کی گنجائش تلاش کرے۔ مجلسِ مشاورت کے قیام سے مسلمانوں کی کوئی ضرورت پوری ہو یا نہ ہو جماعتِ اسلامی کی یہ ضرورت بہرحال پوری ہوگئی چنانچہ اِس راہ سے جماعتِ اسلامی کو بہت سارے اجنبی بلکہ برہم حلقوں میں داخل ہونے کا موقعہ مل گیا۔ اِس لئے یہ کہنا قطعاً خلاف واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا احساس اُسے مجلسِ مشاورت میں کھینچ کر لایا ہے۔

جس دن سے اطمینان ہو جائے گا کہ مسلم عوام میں رُسوخ پیدا کرنے کے لئے اب اُسے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں ہے اُس دن جماعتی اشتراک کا یہ سارا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

۳) بالکل ایک مذہبی فرقے کے رُجحانات کی طرح عام حالات میں جماعتِ اسلامی کے ممبران بھی مالی امداد اور اخلاقی اعانتوں کا تعلق صرف اپنے حلقے تک محدود رکھتے ہیں۔

چنانچہ ہندوستان کے طول وعرض میں شاید ہی کہیں اِس کی مثال مل سکے گی کہ جماعتِ اسلامی کے کسی ممبر نے باہر کے کسی ادارے یا کسی دینی مہم کے کارکنوں کی کوئی قابلِ ذکر مالی امداد کی ہو، یہاں تک کہ فساد کے موقعوں پر ریلیف کی جو رقمیں باہر کے لوگوں سے وصول کی

جاتی ہیں اُس کی تقسیم بھی واقعات کی بنیاد پر نہیں جماعتی تعلق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

جمشید پور اور گرد و نواح کے فساد کے موقع پر ریلیف کے سلسلے میں مجھے باوثوق ذرائع سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں وہ اُس سے بھی زیادہ سنگین شرمناک اور سنسنی خیز ہیں۔

بہر حال کہنا یہ چاہتا ہوں کہ زندگی کے سارے شعبوں میں علیحدگی پسندی کے یہ واضح رُجحانات کیا یہ محسوس کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ جماعتِ اسلامی نہایت تیزی کے ساتھ ایک مذہبی فرقے کے نشانات کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اگر چہ ابھی ابتدائی دَور میں جماعت کے لوگ اِس کا اظہار کرتے ہوئے جھجکتے ہیں لیکن کچھ عجب نہیں ہے کہ آگے چل کر یہ جھجک بھی مٹ جائے تو وہ برملا اِس نئے دَور کے ایک روشن خیال مذہبی فرقے کی حیثیت سے ہمارے سامنے بے نقاب ہو جائے۔

مذہبی فرقوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اِس حقیقت سے انکار نہیں کر سکیں گے کہ کم و بیش ہر فرقے کی ابتداء اسی طرح کی سیاسی، اصلاحی اور فکری تحریکوں کی بنیاد پر ہوئی ہے اور آگے چل کر حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ان تحریکوں نے اچانک مذہبی فرقوں کی جگہ لے لی ہے۔

مثال کے طور پر شیعہ، وہابی اور قادیانی وغیرہ مذہبی فرقوں کی تحریکیں ہمارے سامنے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُن میں سے کوئی تحریک بھی مذہبی فرقے کے روپ میں نہیں اُٹھی تھی، مسلمانوں کے فکری، سیاسی اور اصلاحی مقاصد ہی کا علم اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں تھا اور اِسی کے سہارے اُن کی پیش قدمی کے لئے راستہ ملتا گیا، لیکن آگے چل کر اُن تحریکوں نے مذہبی فرقوں میں تبدیل ہو کر کیا قیامت برپا کیا، اُن کی ہولناک تفصیلات سے ہر شخص واقف ہے۔

اِس لئے جماعتِ اسلامی کی طرف اعانت و ہمدردی کا ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہر مسلمان کو گہرائی میں اُتر کر یہ فیصلہ کر لینا ہے کہ آیا وہ مسلمانوں میں ایک نئے فرقے کے اضافے کے لئے تیار ہے؟ اور کیا وہ دنیا و آخرت میں اُن تمام ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے جو اِس مذہبی فرقے کے گمراہ کن نتائج کے سلسلے میں اُس کی گردن پر عائد ہوں گے؟

اقامتِ دین یا اسلامی ریاست کا قیام

جماعتِ اسلامی کے محاسن کے شمار میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسی اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتی ہے جہاں انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی جگہ خُدا اور رسول کا قانون نافذ کیا جائے، جماعتِ اسلامی کے لوگ اِس مفہوم کو اقامتِ دین سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

میں عرض کروں گا، جہاں تک کسی اسلامی ریاست کے قیام کا سوال ہے یہ ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلم قوم نے اس آواز پر ہمیشہ لبیک کہا ہے، ضمیر ہی کی یہ آواز تھی جس نے پاکستان بنایا اور لاکھوں مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپایا لیکن تجربے نے جلد ہی ثابت کر دیا کہ زبان کے نعروں اور دل کے ارادوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

آج بھی جماعتِ اسلامی کا یہ نعرہ ہمارے لئے کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ اسلامی حکومت اور دینی اقتدار کے نام پر مسلمانوں کے مقدس جذبات سے کھیلنے کا یہ نعرہ بہت پُرانا ہو چکا ہے۔

حالات شاہد ہے کہ نعروں کے پیچھے بجز اِس کے اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ اسلامی ریاست کے نام اپنی ریاست کا سکہ دنیا میں رائج کیا جائے اور اسلاف کی عظمتوں کے مدفن پر اپنے ایوانِ اقتدار کی تعمیر کا جو منصوبہ لٹریچر کے ذریعہ اب تک پورا نہیں ہو سکا ہے اسے قانون کی جبری طاقتوں سے پورا کیا جائے۔

خُدا اور رسول کے قانون کے نفاذ سے کس بدنصیب کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جہاں سے فکر کا تصادم شروع ہوتا ہے وہ قانون کی تشریح کا مرحلہ ہے۔

وہ مشاہیرِ اسلام جن کی فقہی تشریحات پر ساری اسلامی دنیا اعتماد کرتی آئی ہے جماعتِ اسلامی کے لیڈروں کو ان کی اِصابتِ رائے پر قطعاً بھروسہ نہیں ہے، وہ ساری اُمّت سے کٹ کر صرف اپنی رائے کی برتری دنیا سے منوانا چاہتے ہیں۔

آج بے سروسامانی کے عالم میں جب جماعتِ اسلامی کا یہ کردار ہے کہ تاریخِ اسلام کا کوئی مقتدر طبقہ اُن کے نشترِ قلم اور نوکِ زبان سے محفوظ نہیں ہے تو جس دن اقتدار کی ننگی تلوار اُن کے ہاتھ میں دے دی جائے گی اس دن اسلام کی چہاردہ صد سالہ (۱۴۰۰)

روایات کا کیا حشر ہوگا۔

ہزار بدبختیوں کے باوجود آج کا دن غنیمت ہے کہ اپنے مذہبی حقوق میں مداخلت کے خلاف ہم احتجاج بھی کر لیتے ہیں لیکن جس دن اسلام کی نمائندگی کے منصب سے اسلام کی حرمتوں کا قتلِ عام ہوگا اُس دن ہمارے احتجاج کا حق بھی سلب کرلیا جائے گا، کیونکہ کسی بھی اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ جن عملی برائیوں اور ذہنی گمراہیوں کا خاتمہ وعظ وتبلیغ سے نہیں کرسکتے قانون کا تازیانہ لے کر اُس کا نام ونشان مٹادیں۔

اِن حالات میں آنکھ بند کرکے ہم نعروں کے پیچھے نہیں چل پڑنا ہے ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ ہمارے بہت سے عقائد وخیالات ہیں جنہیں ہم ایمان کا خاموش مطالبہ سمجھتے ہیں لیکن جماعتِ اسلامی انہیں ذہنی گمراہیوں سے تعبیر کرتی ہے اور بہت سارے ہمارے معمولات وروایات ہیں جن کے ذریعہ ہم اپنی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن جماعتِ اسلامی کے نزدیک وہ عملی برائیوں کی فہرست میں ہیں۔

کل زمامِ اقتدار سنبھالنے کے بعد اسلامی ریاست کا پہلا مقصد ہی یہی قرار پائے گا کہ طاقت کے بل پر اُن ساری عملی برائیوں اور ذہنی گمراہیوں کا خاتمہ کردیا جائے، جو اُس کے خلاف آواز اٹھائے گا اُسے ریاست کا باغی سمجھا جائے گا اور اُس کے احتجاج کو سختی کے ساتھ کچل دیا جائے گا۔

اِس کی تازہ مثال دیکھنی ہو تو سعودی عربیہ کی نام نہاد اسلامی ریاست کی گزشتہ تاریخ اور موجودہ حالات کا مطالعہ کیجئے، حاکمانہ جَور واستبداد کے نتیجے میں آج بھی وہاں دیارِ قدس کے ویرانے اپنی شامِ غربت پر سوگوار ہیں۔ آج بھی اہلِ بیت وصحابہ کے ٹوٹے ہوئے مزارات غارت گروں کی شقاوت کا گلہ کرتے ہیں، آج بھی مدنی تاجدار کے مجبور وفاداروں پر ننگی شمشیروں کا پہرہ ہے۔

اپنے آقاؤں کی بے حرمتی کا کھلی آنکھوں سے تماشہ دیکھتے ہیں مگر کچھ کرنہیں سکتے کبھی صبر کا پیمانہ پھوٹ گیا تو قیامت ہے اور زبان ہل گئی تو اب اُس کی جگہ منھ میں نہیں تلوار کی

دھار پر ہے، اجمیر مقدس میں جس خواجۂ ہند کی تُربت کا شاہانہ جاہ وجلال آج بھی نصیبِ دوستاں سلامت ہے یـا لـلـعجب کہ مکّے میں اسی کے مُرشدِ برحق کا مزار غلاظتوں کے ڈھیر میں گم ہوگیا ہے۔

فرق اتنا ہے کہ وہ ”اسلامی ریاست“ ہے یہ کافروں کا ملک ہے یہاں اکثریت کی سرکار ہے وہاں بنامِ اسلام نجد کے قاضیوں کی حکومت ہے، یہاں تلواروں کا قہر ہے وہاں ایمان کا قتل عام ہے، یہاں رونے کی اجازت ہے وہاں آہِ سرد پر بھی قدغن ہے۔

سعودی حکومت کے اُن مظالم کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک مکتبۂ فکر کے خلاف ایک مکتبۂ فکر کا تشدّد ہے۔

لیکن اُسے کیا کہئے گا کہ اخباری اطلاعات کے مطابق اِس وقت وہاں کے سرکاری اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں، اُن میں انبیائے کرام اور صحابہ وتابعین کی فرضی تصویریں شائع کی گئی ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ خبر بھی حیرت میں ڈوب کر سنئے! اور اسی سے جماعتِ اسلامی کے زاویۂ فکر کا اندازہ لگائیے کہ وہاں کی نظارتِ تعلیمات کی مشاورتی کمیٹی میں مولانا مودودی بھی ایک ذمہ دار مشیر کی حیثیت سے شامل ہیں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ دنیا کے کسی بھی غیر اسلامی ملک میں اس طرح کا کوئی حادثہ پیش آتا تو ہر طرف آگ سی لگ جاتی ہے اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے جذبے میں اسلامی دنیا مشتعل ہوجاتی لیکن اس موقعہ پر کہیں کوئی ہیجان نظر نہیں آتا، صرف اِس لئے کہ اُن ”کافرانہ حرکتوں“ کا تعلق ایک نام نہاد اسلامی ریاست سے ہے۔

اتنا ہی نہیں ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ کی ایک خبر کے مطابق سعودی عرب کی نام نہاد اسلامی ریاست میں اب یہ تحریک جنم لے رہی ہے کہ ابوجہل اور ابولہب عرب قوم کے قابلِ فخر ہیرو تھے اُن کی یادگاریں قائم کرکے انہیں زندہ کرنا چاہیے۔

یہ ہے ایک ”اسلامی ریاست“ کا کردار

اِسی طرح کی قیامتوں کو بیدار کرنے کے لئے جماعتِ اسلامی بھی اگر ایک ریاست قائم کرنا چاہتی ہے تو دل کی گہرائیوں سے ہم دعا کرتے ہیں کہ خُدائے قدیر مسلمانوں کو اِس دردناک عذاب سے بچائے۔

اب اخیر میں ہم نہایت سنجیدگی کے ساتھ عقل ومشاہدہ کی روشنی میں اِس امر کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کا نعرہ صرف نعرے کی حد تک ہے یا اس کے واضح امکانات بھی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جب تک یہاں کی اکثریت اسلامی ریاست کے قیام کے تصوّر پر متفق نہ ہو جائے یہاں کسی دستوری انقلاب کے ذریعہ کوئی نیا نظامِ حکومت ہرگز قائم نہیں کیا جاسکتا۔

پس موجودہ حالات میں یہاں اسلامی ریاست کے قیام کی دو ہی صورتیں ہیں:

یا تو یہاں کی اکثریت مسلمان ہو جائے یا کم از کم اسلام کے سیاسی اقتدار اور اُس کے مذہبی قوانین کو اپنے اوپر مسلّط کرنے کے لئے رضا مند ہو جائے یا پھر کوئی ایسی وبا چلے کہ اسلامی ریاست کے قیام میں مزاحمت کرنے والے سب کے سب ختم ہو جائیں صرف حمایت کرنے والے باقی رہیں۔

یہ دونوں صورتیں عقلاً نہ سہی تو کم از کم عادۃً ضرور ناممکن ہیں، کرشمۂ قدرت اور معجزے کے طور ایسا یقیناً ہوسکتا ہے لیکن جہاں تک اسباب وعلل کے نتائج کا تعلق ہے، کسی تحریک کے بل پر اِس طرح کے نتائج ہرگز نہیں حاصل کئے جاسکتے۔

پس اِس بنیاد پر کہنا قطعاً صحیح ہے کہ وسائل وذرائع کے امکانات سے مونھ پھیر کر صرف اونچا نصب العین مقرر کر لینا اور اندھا دُھند ملّت کی ساری صلاحیتوں کو اس میں جھونک دینا ایک نااہل اور مہلک قیادت کی واضح علامت ہے۔

صرف نعرے کے طور پر کسی جماعت کا کوئی سحر کار اور پُرکشش نصب العین مقرر کر لینا تاکہ اپنے اقتدار کا جوا اٹھانے کے لئے اردگرد لاکھوں انسانوں کی بھیڑ جمع ہو جائے جماعتی

تاریخ کا اتنا بڑا فریب ہے جسے ہرگز معاف نہیں کیا جاسکتا۔

خُدائے برتر اِس طرح کے ''نادان دوستوں، دانا دشمنوں'' کے شر سے ملّتِ اسلام کے سادہ لوح عوام کو ہمیشہ محفوظ رکھے۔

ایک ضروری نوٹ

کتاب کے خاتمے پر اتنی بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پچھلے اوراق میں جماعتِ اسلامی کے خلاف جو کچھ بھی میں نے کہا ہے اُس کا تعلق جماعت کے صرف اُن ذمہ دار لوگوں سے ہے جو مرکزی، صوبائی یا علاقائی سطح پر جماعت کی پالیسی کو کنٹرول کرتے ہیں۔

باقی رہ گئے وہ سادہ لوح عوام جو صرف ظاہری محاسن کو دیکھ کر اُن کے ساتھ ہو گئے ہیں ہمارا روئے سخن اُن کی طرف ہرگز نہیں ہے انہیں ہم قطعاً معذور سمجھتے ہیں۔

خدائے قدیر اِس کتاب کے ذریعہ انہیں حق کی طرف پلٹنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وَصَلَّى اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہٖ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ.

ارشد القادری

۱۰ر جولائی ۶۵ء، جمشید پور (بہار)